عہد نبوی ﷺ میں عوام کی بنیادی ضروریات کا اہتمام

تحریر: حافظ محمد سعد اللہ، مدیر مسئول

بنیادی ضروریات کا تعین: نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں لوگوں کی ضروریات کا اہتمام کس طرح کیا جاتا تھا؟ اس کی تفصیلات میں جانے سے قبل مناسب ہے کہ اختصار کے ساتھ یہ بھی معلوم کر لیا جائے کہ شرعاً بنیادی ضروریات کیا ہیں؟ ان کی مقدار کیا ہے؟ شریعت محمدیہ میں ان کی کتنی اہمیت ہے اور اس معاملے میں حکومت کی ذمہ داری کیا ہے؟ تو معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کی بنیادی اور واقعی ضروریات زندگی یا فقہاء کی زبان میں حوائج اصلیہ جن کے بغیر آدمی کا زیادہ دیر زندہ رہنا عام حالات میں مشکل ہوتا ہے۔ بالعموم چار چیزیں شمار کی جاتی ہیں اور وہ ہیں۔ روٹی، پانی، لباس اور مکان (۱)

انہی کے ذیل میں چند اور متعلقہ چیزیں بھی فقہاء کے نزدیک حوائج اصلیہ میں داخل ہیں۔ مثلاً علاج معالجہ طبیب کا معاوضہ، دوا کی قیمت۔ بیمار کے لئے خادم، کھانے پینے کے برتن، چولہا، گیس، ایندھن، جوتے، کپڑوں میں سردی اور گرمی کا جوڑا، سالن پکانے کی متعلقہ اشیاء، گھر کا ضروری سامان، چارپائیاں، موسم کے مطابق ستر وغیرہ۔ کام کاج کیلئے خادم، سواری، کاریگروں کیلئے اس فن کے آلات، روشنی کیلئے دیا، علماء کے مطالعہ کیلئے کتابیں وغیرہ (۲) جن کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

بنیادی ضروریات کی مقدار: جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ ایک انسان کیلئے بنیادی ضروریات زندگی کی کتنی مقدار درکار ہوتی ہے؟ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ بنیادی ضروریات زندگی یعنی کھانا پینا کپڑا اور مکان وغیرہ کی کم از کم یا زیادہ سے زیادہ کسی متعین مقدار اور نوعیت پر کوئی نص نظر نہیں آتی۔ تاہم قرآن مجید نے بیویوں کے نفقہ اور دیگر احکام میں "بالمعروف" کا جامع لفظ استعمال کیا ہے۔ (سورۃ البقرہ: ۲۳۳) یعنی اس نفقہ (روزینہ یا خرچہ) کی جزئیات و تفصیلات علاقہ، برادری یا لوگوں کے عام شریفانہ عرف اور دستور کے مطابق طے کی جائیں گی جو کسی قاعدہ شرعی کے خلاف نہ ہوں۔ مفسر قرطبیؒ نے بالمعروف کی تفسیر میں لکھا ہے:

ای بالمتعارف فی عرف الشرع من غیر تفریط ولا افراط ثم بین تعالی ان الانفاق علی قدر غنی الزوج ومنصبھا من غیر تقدیر مد ولا غیر بقوله تعالی لا

تکلف نفسا الا وسعھا(۳)

یعنی بیویوں کا نفقہ افراط و تفریط کے بغیر عرف میں عام متعارف دستور کے مطابق مقرر کیا جائے گا۔ پھر آگے اللہ کریم نے "لا تکلف نفس الا وسعھا" فرما کر وضاحت فرما دی ہے کہ خاوند کی مالی حالت اور اس کی بیوی کے حسب نسب (یا مشقت) کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی خاص مد (پیمانے) وغیرہ کے اندازے کے بغیر مناسب مقدار مقرر کی جائے گی۔

امام راغب اصفہانیؒ (م ۵۰۲ھ) نے معروف کا معنی بتاتے ہوئے لکھا ہے:

المعروف اسم لکل فعل یعرف بالعقل اوالشرع حسنہ(۴)

معروف ہر اس فعل کا نام ہے جس کا حسن (اچھا ہونا) عقل یا شریعت سے معلوم کیا جائے۔

پھر آگے اخراجات اور خرچ میں میانہ روی اور احسان کو بھی معروف قرار دیا ہے کیونکہ یہ چیز عقل اور شرع دونوں میں مستحسن سمجھی جاتی ہے(۵)

علامہ آلوسیؒ نے سورۃ البقرہ کی مندرجہ بالا آیت میں لفظ "بالمعروف" کا مطلب لکھا ہے:

ای بما لایکون مستنکرا شرعا ومروءۃ(۶)

یعنی اتنا نفقہ جو شریعت اور انسانی مروت ہر اعتبار سے قابل قبول ہو۔

ہدایہ میں معروف کا معنی "الوسط" (اعتدال اور متوسط اندازے سے) سے کیا گیا ہے۔(۷) امام سرخسیؒ نے معروف سے مراد "فوق التقتیر دون الاسراف" لیا ہے(۸)

ایک حدیث سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہ ضروریات حالات کی مناسبت سے اتنی مقدار میں لازم ہیں جتنی ایک آدمی کو بقدر ضرورت کافی ہو رہیں۔ جس میں نہ افراط ہو نہ تفریط، چنانچہ حضرت ابو سفیان بن حربؓ کی بیوی حضرت ہندہ نے ایک مرتبہ بارگاہ نبوی ﷺ میں جب یہ شکایت کی کہ ان کا خاوند کنجوس آدمی ہے، وہ کھانے کو اتنا نہیں دیتا جو مجھے اور بچوں کیلئے کافی ہو رہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

خذی من مال ابی سفیان ما یکفیک وولدک بالمعروف۔(۹)

تو ابو سفیان کے مال سے اتنا لے لیا کر جو تجھے اور تیرے بچوں کیلئے دستور کے مطابق کفایت کر جائے۔

بخاری میں یہ روایت تھوڑے سے مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔ اس کے حاشیے میں عینی کے حوالے سے "معروف" کا معنی ہے: وھوالذی یتعارفہ الناس فی النفقۃ علی اولادھم

من غیر اسراف (وہ مقدار ہے جو لوگوں کے ہاں اولاد کے نفقہ کے بارے میں بغیر اسراف کے معروف ہو(۱۰)

تو یہ حدیث اس بات پر نص اور دال ہے کہ عورت کے نفقہ (روزینہ) کا اندازہ اس کی کفایت کے لحاظ سے کیا جائے گا۔ علامہ کاسانی ؒ نے یہی بات دوسرے قریبی لوگوں کے نفقہ کی مقدار بیان کرتے ہوئے یوں بیان فرمائی ہے۔

"نفقۃ الاقارب کی بالاتفاق اتنی مقدار واجب ہے جتنی کافی ہو رہے۔ یہ حاجت کے وقت اور حاجت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔ لہذا اس کا اندازہ بقدر حاجت ہوگا۔ جتنی حاجت ہوگی اسی قدر واجب ہوگا۔ ہر وہ شخص جس پر کسی دوسرے قریبی کا نفقہ واجب ہو رہا ہے تو اس پر اس (مفق علیہ) کا کھانا پینا' کپڑا' رہائش واجب ہے اور اگر مفق علیہ دودھ پیتا بچہ ہے تو اس کی رضاعت کا خرچ بھی واجب ہوگا کیونکہ اس نفقہ کا وجوب ضروریات کیلئے ہے اور ان چیزوں کے بغیر چارہ کار نہیں اور اگر مفق علیہ کا کوئی خادم ہو تو اس کا نفقہ بھی مفق کے ذمہ ہوگا کیونکہ خادم بھی مفق علیہ کی جملہ ضروریات میں سے ہے(۱۱)

الغرض ضروریات میں اصولی چیز احتیاج کا لحاظ رکھنا ہے۔ جس آدمی کی جتنی احتیاج اور ضرورت ہوگی' اتنی ہی مقدار اس کیلئے لازمی ہوگی۔

بنیادی ضروریات کی اہمیت : اب رہی یہ بات کہ بنیادی ضروریات زندگی جن پر انسان کی بقاء کا انحصار ہے' کی شریعت اسلامیہ میں کتنی اہمیت ہے تو اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ انسانی جان کی حفاظت شریعت کے مقاصد خمسہ میں شامل ہے۔ امام شاطبیؒ نے ان مقاصد کو شمار کرتے ہوئے لکھا ہے :

وھی حفظ الدین والنفس والنسل والمال والعقل (۱۲)

اور وہ ہیں دین کی حفاظت۔ نفس (انسانی جان) کی حفاظت' نسل کی حفاظت' مال کی حفاظت اور عقل کی حفاظت۔

ان مقاصد میں اولیت اگرچہ دین کی حفاظت کو دی گئی ہے تاہم ذرا غور کیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ اولیت صرف روحانی اعتبار سے ہے۔ مگر عمرانی اعتبار سے فوقیت حفاظت نفس کو ہی حاصل ہے۔ انسانی وجود ہی اصل چیز ہے۔ انسان ہوگا تو دین بھی ہوگا۔ اور نسل و مال عقل بھی۔ دنیا کی ساری آبادی چہل پہل اور رونقیں انسان کے دم قدم سے ہیں۔ انسان ہی کائنات کا گل سہ سبد' ساری

مخلوق کا مخدوم، مسجود ملائکہ، وجہ تخلیق کائنات، محترم تر و برتر اور اشرف المخلوقات ہے۔

بر تر از گردوں مقام آدم است

پھر نفس انسانی کی حفاظت، مال یا دوسرے لفظوں میں بنیادی ضروریات زندگی پر موقوف ہے۔ یہ ضروریات ہوں گی تو انسان اپنا وجود قائم رکھ سکے گا ورنہ نہیں۔

اسلام میں ان ضروریات زندگی کی کتنی زیادہ اہمیت ہے؟ اس کا اندازہ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن زکواۃ کی لازمی ادائیگی سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ جس کا انکار انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور جس کی عدم ادائیگی پر قرآن وسنت میں بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ قرآن مجید میں نماز کے ساتھ زکواۃ کا ذکر متعدد مقامات پر آیا ہے چنانچہ اقیموا الصلوۃ واتوالزکواۃ سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے۔

اس فریضہ زکواۃ کا بڑا مقصد یہی ہے کہ معاشرے میں از خود بنیادی ضروریات زندگی مہیا نہ کر سکنے والے غرباء و مساکین، اپاہج، مفلوک الحال، مقروض، بیوگان، یتیم، محتاج اور ضرورت مند لوگوں کی بنیادی ضروریات کو اغنیاء کے فاضل مال سے پورا کیا جائے۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو اہل یمن کی طرف بھیجا تو اس سلسلے میں انہیں ضروری ہدایات دیتے ہوئے فرمایا:

فا علمہم ان اللّٰہ قد افترض علیہم صدقۃ فی اموالہم تؤخذ من اغنیاء ھم وتردد فی فقراء ھم (۱۳)

انہیں بتادینا کہ اللہ نے ان پر ان کے مالوں میں صدقہ یعنی زکواۃ فرض کی ہے جو ان کے غنی (مالدار) لوگوں سے وصول کی جائے گی اور ان کے فقراء میں تقسیم کردی جائے گی۔

شریعت اسلامیہ میں اللہ کے دانائے سبل اور معلم حکمت رسول ﷺ نے یوں ہی زکواۃ کو اسلام کا بنیادی رکن قرار نہیں دیا گیا۔ اس کے اندر بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں پنہاں ہیں۔ زکواۃ کا فائدہ صرف غرباء و مساکین اور ضرورت مندوں تک محدود نہیں رہتا۔ بلکہ اس کے اقتصادی منافع سے سارا معاشرہ اور خود زکواۃ دینے والے بھی مستفید ہوتے ہیں۔ وہ یوں کہ جب زکواۃ ادا کی جاتی ہے تو وہ غرباء و مساکین میں قوت خرید پیدا کرتی ہے اور جب قوت خرید بازار میں آتی ہے تو اشیاء کی مانگ پیدا ہوتی ہے۔ مانگ کو پورا کرنے کیلئے سپلائی (Supply) کی ضرورت ہوتی ہے۔ سپلائی قائم رکھنے کیلئے زراعت اور مختلف قسم کی فیکٹریاں اور کارخانے وجود میں آتے ہیں۔ یوں زکواۃ سے امیر غریب اور مزدور و کارخانہ دار سب

مستفید ہوتے ہیں۔ نظام زکواۃ ایک طرف روزگار مہیا کرتا ہے اور دوسری طرف دولت کو گردش میں لاتا ہے اور اکتناز و احتکار کا خاتمہ کرتا ہے۔ دولت کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر ہی یہ ہے کہ وہ گردش میں رہنی چاہیے۔ نہ یہ کہ وہ محض چند مالداروں کے الٹ پھیر میں پڑ کر ان کی مخصوص جاگیر بن جائے جس سے سرمایہ دار تو مزے لوٹیں اور غرباء و مساکین نان جویں کو ترسیں۔

فرضیت زکواۃ میں اسلام نے کن مصالح کا خیال رکھا ہے ؟ اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فرمایا ہے :

"واضح رہے کہ زکواۃ میں دو مصلحتوں کی رعایت پیش نظر رکھی گئی ہے۔

۱۔ تہذیب نفس (۲) مدنی و اجتماعی حاجات کا انسداد۔ تہذیب نفس سے مراد یہ ہے کہ مال' بخل خود غرضی جنسی عداوت جنسی بد اخلاقیاں پیدا کرتا ہے اور ان بد اخلاقیوں کے انسداد کا بہترین علاج انفاق یعنی حسبۃ للہ صرف مال اور سخاوت ہے۔ اس سے بخل کا خاتمہ ہو جاتا ہے خود غرضی مٹ جاتی ہے اور عداوت جنسی کی بجائے برادرانہ محبت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی جنسی محبت ان تمام اخلاق کریمانہ کی اساس و بنیاد ہے جو انسان کو حسن معاملات کا خوگر بناتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اخلاق حسنہ کا پیکر بن جاتا ہے اور اسی کا نام تہذیب نفس ہے۔ اور زکواۃ مدنی و اجتماعی حاجات کے انسداد کا بہترین علاج ہے اس لئے کہ نظام مدنی اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس نظام میں مضبوط مالی نظام موجود نہ ہو تاکہ اس کے ذریعہ سے مدنی نظام کے اعلیٰ و ادنی عمال اور رعایا کے مناسب حال حاجات و ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔ نیز فقراء و مساکین ضعفاء یتامی بیوگان اور اسی قسم کے دیگر حاجت مند' دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور ذلیل و خوار ہونے سے محفوظ رہیں اور حکومت ان کی پوری کفالت کر سکے اور یہ تمام مشترک ذمہ داریاں اس طرح پوری ہو سکتی ہیں کہ منجملہ دیگر ذرائع آمدنی کے حکومت کی آمدنی کا ایک معقول ذریعہ اہل سرمایہ سے وصول زکواۃ کی شکل میں حاصل ہو۔ (۱۴) قرآن مجید میں مصارف زکواۃ کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے (۱۵) اس کی رو سے زکواۃ کو صرف فقراء و مساکین' عاملین صدقات مؤلفۃ القلوب' رقاب' قرض داروں فی سبیل اللہ اور مسافروں پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ ان مصارف پر ایک نظر ڈالنے سے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معاشی و اقتصادی سطح پر زکواۃ کا ادارہ معاشرہ میں ضرورت مند اور بے سہارا افراد کی مدد کرنے' تقسیم دولت نیز غربت فقر و افلاس کو دور کرنے' معاشرتی عدل قائم کرنے اور افراد معاشرہ کے دینی دنیاوی و نفسیاتی اصلاح کیلئے ایک موثر ذریعہ تھا اور فی الحقیقت اس کو اس تاثیر کے ساتھ عہد نبوی ﷺ اور عہد خلفاءؓ میں استعمال بھی کیا گیا۔ بلکہ

اس سے آگے بڑھ کر (جیسا کہ آئندہ صفحات میں انشاءاللہ تفصیل آئے گی) اسلامی ریاست نے اپنے کسی باشندے کو یہ محسوس تک نہ ہونے دیا کہ وہ تنہا یا لاوارث ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اعلان عام فرمادیا تھا۔

انا ولی من لا ولی له(١٦)

زکواۃ کے علاوہ دیگر واجب اور نفلی صدقات، خیرات مالی کفارات، ضرائب، خمس، خراج، جزیہ، قانون وصیت، قانون وقف اور تقسیم عفو وغیرہ سے بھی شریعت اسلامیہ کا مقصود یہی ہے کہ اسلامی حکومت کے اندر بسنے والے ہر شہری کی بلا امتیاز و تفریق کم از کم بنیادی ضروریات زندگی پوری ہوتی رہیں۔ اگر کوئی آدمی ان ضروریات سے بوجوہ محروم ہو گا تو حکومت کی ذمہ داری ہو گی (جیسا کہ آگے آتا ہے) کہ وہ اس کو یہ ضروریات مہیا کرے۔

حکومت کی ذمہ داری

بعد ازیں اس امر کی وضاحت کہ اس معاملے میں حکومت کی ذمہ داری کیا ہے؟ تو نص کے تتبع سے یہ واضح ہوتی ہے کہ اسلامی حکومت کی قلمرو میں بسنے والا کوئی چھوٹا بڑا فرد چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان (ذمی) جب زمین میں پھیلے ہوئے رزق الٰہی میں سے نہ اپنے ہاتھ سے اور نہ اپنے وسائل سے اپنی بنیادی ضروریات کو پورا کر سکے اور نہ اسے اپنے اقرباء و دیگر باشندوں کی مالی امداد حاصل ہو تو اسلام حکومت کو اس بات کا پابند بناتا اور اس کی ایک اہم ذمہ قرار دیتا ہے کہ وہ ایسے ضرورت مند بندگان خدا کی بنیادی ضروریات کا اپنے حکومتی وسائل و اختیارات سے از خود معقول بندوبست کرے۔ محروم المعیشت لوگوں کو اپنی ضروریات کیلئے سرکاری دفاتر کے چکر نہ لگانا پڑیں۔ کیونکہ افراد معاشرہ کو بنیادی ضروریات کی فراہمی اسلامی حکومت کا ایک قسم کا فرض ہے۔ اس کے عوض وہ افراد سے کسی خدمت یا معاوضے کی طالب نہیں ہوتی۔ اسلام بنیادی ضروریات کی فراہمی سودے بازی کی بنیادوں پر نہیں کرتا۔ اس سلسلے میں اسلام اور سوشلزم (مرحوم) کے درمیان بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ سوشلزم بنیادی ضروریات فراہم کرتا ہے۔ مگر افراد کی صلاحیت کار کی قیمت کے طور پر۔۔ ان کو روٹی کپڑا اور مکان مہیا کرتا ہے مگر جانوروں کی طرح ان سے دن رات کام لے کر۔۔ اس کے بالمقابل اسلام افراد معاشرہ کو بنیادی ضروریات ان کا انسانی حق سمجھ کر فراہم کرتا ہے اور ان کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے صلاحیت کار کو جہاں چاہیں استعمال کریں اور پوری آزادی کے ساتھ زندگی کی دوڑ میں حصہ لیں۔

اسلام میں حکمران (خلیفہ) یا حکومت (خلافت) فرمانروائے اعلیٰ (خداوند عرش) کی نمائندگی اور نیابت کا نام ہے۔

الخلافة نيابة في حفظ الدين وسياسة الدنيا(١٧)

خلافت (حکومت) لوگوں کے دین کی حفاظت اور دنیا کی سیاست (دنیوی امور چلانے) میں (اللہ کریم کی) نیابت کا نام ہے۔

ظاہر ہے نائب یا قائم مقام یا خلیفہ کے فرائض اور ذمہ داریوں میں وہ تمام ذمہ داریاں شامل ہوں گی جو اس کا اصل یعنی خلیفہ بنانے والا سرانجام دیتا ہے۔ تو رب العالمین جس نے حکومت یا حکمران کو اپنا خلیفہ بنایا ہے' نے از راہ شفقت و کرم ایک بات یہ بھی اپنے ذمہ لے رکھی ہے کہ :

ومامن دابة في الارض الا على رزقها(سورہ ھود :٦)

اور کوئی جاندار زمین پر ایسا نہیں کہ اللہ کے ذمہ اس کا رزق نہ ہو۔

تمام مخلوق کے رازق اللہ کریم کے ہونے سے متعلق قرآن مجید میں متعدد ارشادات ہیں۔ جن کی یہاں گنجائش نہیں ہو سکتی۔ اسی چیز کو نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں یوں بیان فرمایا :

الخلق عيال الله (١٨)

تمام مخلوق اللہ کا عیال (کنبہ) ہے

اور کسی کے "عیال" لغت میں ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کے نان نفقہ کی ذمہ داری اس کے سپر ہوتی ہے۔

تو جب ساری مخلوق اللہ کا کنبہ (عیال) قرار پائی اور ان کے نان نفقہ یا ضروریات زندگی کو پوار کرنا اس کی ذمہ داری ہوئی تو اللہ کے خلیفہ (حکومت) کی بھی ذمہ داری ہو گی کہ اس کی قلمرو میں کوئی متنفس بھوکا پیاسا نہ رہے۔ مشہور حنفی فقیہ سید علی زادہ نے امیر حکومت کے فرائض بتاتے ہوئے فرمایا ہے کہ :

ولا يدع فقيرافي ولايته الااعطاه ولا مديوناالاقضى عنه دينه ولا ضعيفا الا اعانه ولا مظلوما الانصره ولا ظالما الا منعه عن الظلم ولا عاريا الاكساه كسوة۔(١٩)

وہ اپنی مملکت کے اندر کوئی ایسا فقیر نہ چھوڑے جس کو عطا نہ کرے اور کوئی ایسا مقروض نہ چھوڑے جس کی طرف سے قرض کو ادا نہ کر دے اور کوئی کمزور نہ چھوڑے مگر یہ کہ اس کی مدد کر دے اور کوئی مظلوم نہ چھوڑے مگر یہ کہ اس مدد کرے اور نہ کسی ظالم کو ظلم کرنے دے اور کوئی ننگا نہ چھوڑے جس کو پہنانہ دے۔

المختصر اسلامی نقطہ نگاہ سے دو باتیں انتہائی قابل لحاظ ہیں۔(۱) تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے (۲) تمام انسان اللہ کے نزدیک برابر ہیں۔اب وہ اونچے طبقہ کے ہوں یا نیچے طبقے کے۔اللہ ان کا پرودگار اور فرمانروا ہے اور وہ اس کے بندے اور رعایا ہیں۔(الخلق كلهم عيال الله- الحديث)(۲۰)اور "فالناس شريفهم و وضعيهم في ذات الله سواء الله ربهم وهم عباده"(۲۱)

اسلامی حکومت معاشی زندگی کے دائرہ میں ان دونوں باتوں کا لحاظ رکھنے پر مامور ہے۔ایک تو اللہ کے کنبے کا کوئی فرد کھانے کپڑے اور مکان وغیرہ سے محروم نہ رہے دوسرے اللہ کے بندوں میں سب کو انسانیت کے عام حقوق میں برابر کا سمجھا جائے۔اگر کوئی اسلامی حکومت اس کا خیال نہیں رکھے گی تو انسانیت کے بلند درجے سے گر جائے گی اور اخروی باز پرس میں ماخوذ ہو گی۔

خلفاء کا احساس ذمہ داری

غالباً اسی ذمہ داری کو مدنظر رکھتے ہوئے امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا تھا:

لومات جمل ضياعا على شط الفرات لخشيت ان يسالني الله عنه۔(۲۲)

اگر ساحل فرات پر کوئی اونٹ بے سہارا مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کے بارے میں باز پرس فرمائے گا۔

ایک روایت میں یوں ہے:

لوماتت شاة على الفرات ضائعة لظننت ان الله سائلي عنها يوم القيامة۔(۲۳)

اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بھی بے سہارا ہونے کی وجہ سے مر جائے تو میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے بارے میں مجھ سے جواب طلبی فرمائے گا۔

المختصر اسلام میں خلیفہ ان تمام لوگوں کی بنیادی ضروریات کا ذمہ دار اور کفیل ہے۔ جن کا معاشرے میں اور کوئی ذمہ دار یا کفیل نہ ہو۔نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الله ورسوله مولى من لاولى له۔(۲۴)

اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہر اس آدمی کا مددگار یا سرپرست ہے جس کا کوئی والی وارث نہ ہو۔

ایک حدیث میں فرمایا:

السلطان ولى من لا ولى له۔(۲۵)

بادشاہ(یا حکومت) ہر اس آدمی کی سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔

ایک حدیث میں ارشاد نبویؐ ہے :

انا ولی من لا ولی لہ۔(۲۶)

میں ہر اس شخص کا والی (سرپرست) ہوں جس کا (اس دنیا میں) کوئی والی نہیں۔

ان احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں بالکل واضح ہے کہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ محروم اہل حاجت کی حاجت روائی کا اہتمام کرے۔ بعض بنیادی ضروریات کی تکمیل لازمی ہے، مگر حتی الامکان دوسرے اہم ضروریات کی طرف بھی توجہ کی جانی چاہیے۔ مسلمان حکمرانوں کے فرائض پر اظہار خیال کرنے والے متعدد مفکرین نے اس فرض کی صراحت کی ہے۔ جن مفکرین نے اسے فرائض امیر کی فہرست میں داخل نہیں کیا ہے۔ مثلاً ماوردی اور ابو یعلی، ان کے پیش نظر غالباً یہ مفروضہ رہا ہے کہ زکواۃ اور صدقات واجبہ کی تحصیل و تقسیم سے یہ مقصد بتمام و کمال حاصل ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں بنیادی اصول کو ابن حزم نے واضح کر دیا ہے :

"ہر ملک کے مال دار لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے غریب لوگوں کی کفالت کریں اگر زکواۃ کی آمدنی اور سارے مسلمانوں کی فئے اس کے لئے کافی نہ ہو تو سلطان ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرے گا۔ ان (اہل حاجت) کے لئے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا جس سے کہ وہ بقدر ضرورت غذا حاصل کر سکیں۔ اور اسی طرح جاڑے اور گرمی کا لباس، اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے۔(۲۷)

امام غزالیؒ لکھتے ہیں :

"سلطان پر واجب ہے کہ جب اس کی رعایا تنگی میں مبتلا ہو اور فاقہ اور مصیبت سے دوچار ہو تو ان کی مدد کرے۔ بالخصوص قحط اور گرانی کے زمانہ میں۔ کیونکہ ایسے حالات میں لوگ کسب معاش میں ناکام رہتے ہیں اور گذر اوقات کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں سلطان کو چاہیے کہ ان کو کھانا فراہم کرے اور ان کے خزانے سے انہیں مال دے کر ان کی حالت بہتر بنائے"(۲۸)

جصاص نے احکام القرآن میں سورۂ یوسف کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے :

"اللہ تعالی نے ہمیں حضرت یوسفؑ کا جو قصہ سنایا ہے اور ان کے بارے میں قحط کے زمانہ میں غذائی اشیاء کو محفوظ کر کے انسانوں میں بقدر ضرورت تقسیم کرنے کا جو واقعہ نقل کیا ہے وہ اس بات پر دلیل ہے کہ ہر زمانہ میں حکمرانوں پر یہ واجب ہے کہ جب ان کو اندیشہ ہو کہ قحط کے سبب عوام ہلاک ہو جائیں گے تو ایسا ہی طریقہ اختیار کریں"۔(۲۹)

دورنبوی ﷺ میں ضروریات زندگی کا انتظام

مہاجرین کی رہائش وخوراک کا بندوبست

بنیادی ضروریات کی فراہمی میں اسلامی حکومت (خلیفہ) کی اہم ذمہ داری کی قدرے وضاحت کے بعد اب اس امر کا جائزہ لیتے ہیں کہ خود اسلامی حکومت کے بانی اور موسس اول نبی اکرم ﷺ نے اپنے وسائل کے اندر کس خوبصورتی سے ضرورت مند لوگوں کی بنیادی ضروریات کا انتظام فرمایا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرماکر مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوئے اور یہاں چھوٹی اور محدود سی اسلامی سلطنت کا سنگ بنیاد رکھا گیا تو ایک انتہائی اہم اور فوری حل طلب مسئلہ جو آپ ﷺ کو درپیش آیا وہ ان مہاجرین گھرانوں کی رہائش وخوراک کا تھا جو اللہ ورسول ﷺ کے ساتھ بےمثال وفا کا مظاہرہ کرتے ہوئے دین وایمان کی خاطر اپنے گھربار کاروبار منقولہ وغیر منقولہ جائیدادیں چھوڑ کر مکہ سے مدینہ منورہ آگئے تھے۔

ادھر حکومت کے پاس ابھی اتنے وسائل نہیں تھے کہ سرکاری طور پر ان مہاجرین کی آبادکاری' رہائش اور کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا۔ اس کے باوجود اس نوازائیدہ اسلامی حکومت کا حکمران اول (ﷺ) گھبرایا نہیں۔ مہاجرین کو اپنے حال پر یا کسی کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑا بلکہ آپ ﷺ نے اس اہم پیچیدہ اور وسائل طلب مسئلے کو ایسی فراست' دوراندیشی' عقل مندی اور اتنی خوبصورتی سے سلجھایا کہ دنیا آج تک محوِ حیرت ہے۔ وہ اس طرح کہ مدینہ منورہ میں پہلے سے رہنے والے مسلمانوں جنہیں قرآن ''انصار'' کے خوبصورت لقب سے یاد کرتا ہے' اور مہاجرین کے درمیان باہمی ہمدردی وغم خواری کا ''عقد مواخاۃ'' قائم فرماکر مہاجرین کی آبادکاری کے مسئلے کو یوں حل فرمادیا کہ یہ مسئلہ اب کوئی مسئلہ ہی نہ رہا۔ انصار نے اپنے مہاجر اسلامی بھائیوں کیلئے ایسی محبت ایثار اور اخوت کا مظاہرہ کیا کہ دنیا نے آج تک سگے بھائیوں کے درمیان بھی ایسی محبت واخوت نہیں دیکھی ہوگی۔

انصار زراعت پیشہ زمیندار اور کھجوروں کے باغات کے مالک تھے۔ ہر صاحب زمین جانتا ہے کہ انسان اپنی زمین اور باغات سے کتنی محبت رکھتا ہے۔ مگر میرے خیال میں اس وقت فرشتے بھی ورطہ حیرت میں پڑ گئے ہوں گے۔ جب ایثار پیشہ انصار نے حضور اکرم ﷺ کو اپنے مہاجر بھائیوں کیلئے یہ پیشکش کی کہ :

اقسم بيننا وبين اخواننا النخيل(۳۰)

آپ ﷺ ہمارے درمیان اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان ان باغات کو (برابر برابر) تقسیم فرمادیں۔

مگر آپ نے ان کی اس مخلصانہ پیشکش اور تجویز سے اتفاق نہ فرمایا کیونکہ کسی مخلص بھائی کو اس کی پونجی سے محروم کر دینا اور اس پر ضرورت سے زیادہ بوجھ ڈالنا بھی کوئی عقل مندی نہیں۔ اب انصار نے یہ تجویز پیش کی کہ پھر مہاجرین کام میں ہمارا ہاتھ بٹائیں ہم انہیں پیداوار میں شریک کرلیں گے تو غیور مہاجرین نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور یوں وہ ایک دوسرے کے شریک کار بن گئے (۳۱)

انصار کی طرف سے یہ پیشکش صرف زمینوں اور باغات میں نہیں تھی بلکہ وہ عقد مواخات کے بعد مہاجر بھائیوں کو اپنے گھروں میں لے گئے اور اپنا سارا اثاثہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ گھر میں جو کچھ ہے وہ آدھا تمہارا اور آدھا ہمارا ہے حتی کہ جس انصار کے پاس دو بیویاں تھیں۔ اس نے مہاجر بھائی کو ایک بیوی کی بھی پیشکش کردی کہ جس کو چاہو میں اسے طلاق دے دیتا ہوں (۳۲)

المختصر یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے مہاجرین کی خوراک، روزگار، رہائش اور آبادکاری کا یوں ہنگامی طور پر انتظام فرمادیا۔ انصار میں جن کے ایک سے زیادہ مکانات تھے انہوں نے وہ مہاجرین کو دے دیے۔

مگر کچھ مدت بعد مہاجرین اپنے مکانوں اور جھونپڑوں میں منتقل ہو گئے۔ یہ مکانات اور جھونپڑے ان قطائع (پلاٹوں) پر بنائے گئے تھے۔ جو رسول اکرم ﷺ نے انہیں انصار مدینہ کی موہوبہ اراضی یا افتادہ زمینوں سے عطا کئے تھے۔

مدینہ میں مسلمانوں کے لئے پانی کا انتظام

پانی انسانی کی بنیادی ضرورت ہے۔ نبی اکرم ﷺ اور مہاجرین مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے آئے تو اس وقت جو اہم مسائل سامنے آئے ان میں ایک مسئلہ پانی کا بھی تھا۔ پورے شہر میں بیر رومہ کے سوا کوئی میٹھا پانی نہ تھا۔ صرف یہی پینے کے لائق تھا مگر اس کا مالک ایک یہودی تھا۔ اس نے اس خداداد نعمت کو ذریعہ معاش بنا رکھا تھا اور لوگوں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتا تھا۔ اب حضور ﷺ کے پاس ابھی تک حکومتی وسائل تو تھے نہیں اس لئے آپ نے مخیّر حضرات کو مسلمانوں کیلئے اس کی خریداری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ جو آدمی اس کنویں کو خرید کر عام مسلمانوں کیلئے وقف کردیگا اللہ کریم اسے جنت میں اس سے کہیں بہتر کنواں عنایت فرمائے گا (۳۳)

یہ سعادت حضرت عثمان غنیؓ کی قسمت میں لکھی تھی۔ وہ سارے کنویں کو خرید کر مسلمانوں کیلئے وقف کر دینے پر تیار ہو گئے مگر کنویں کا مالک صرف نصف حصہ فروخت کرنے پر رضامند ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے بارہ ہزار درہم کے عوض نصف کنواں خرید لیا اور شرط یہ قرار پائی کہ ایک دن حضرت عثمانؓ کی باری ہو گی اور دوسرے دن اس یہودی کیلئے کنواں مخصوص رہے گا۔ جس روز حضرت عثمانؓ کی باری ہوتی تھی اس روز مسلمان اس قدر پانی بھر کر رکھ لیتے کہ دو دن تک کیلئے کافی ہوتا تھا۔ یہودی نے دیکھا کہ اب اس سے کچھ نفع نہیں ہو سکتا تو وہ بقیہ نصف بھی فروخت کرنے پر راضی ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ نے باقی نصف بھی آٹھ ہزار درہم میں خرید کر عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا اور یوں سارے مسلمانوں کے لئے میٹھے پانی کا انتظام ہو گیا۔ (۳۴)

بیکسوں کی کفالت کا عام اعلان :

سورۃ الاحزاب کی آیت ۶ (النبی اولی بالمومنین من انفسهم) کے تحت علامہ آلوسی نے روح المعانی میں اور قرطبی نے الجامع لاحکام القرآن میں بخاری کے حوالے لکھا ہے کہ جب فتوحات ہونے لگیں اور بیت المال میں مال غنیمت آنے لگا تو آپ نے مذکورہ آیت کا حوالے دیتے ہوئے اعلان عام فرمایا :

من مات و ترک مالا فلیر ثه عصبته من کانو افان ترک دینا اوضیا عا فلیاتنی فانا مولاه (۳۵)

جو مومن بھی مال چھوڑ کر مرے گا اس کے وارث اس کے عصبہ (قریبی رشتہ دار) ہوں گے اور اگر وہ اپنے ذمہ دین (قرض) چھوڑ کر مرا یا بچے (جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو) چھوڑ کر مرا تو وہ دین اور یتیم بچے میرے ذمہ ہیں اور میں ہی ان کا والی ہو گا۔ یعنی ان کی کفالت کرونگا اور ان پر مال خرچ کرونگا۔ صحیفہ ہمام بن منبہ کے الفاظ ہیں :

فایکم ترک دینا اوضیعة فادعونی فانی ولیه۔ الخ (۳۶)

(تم میں سے جو آدمی دین یا چھوٹے بچے چھوڑ کر مر جائے تو مجھے بلاؤ (اطلاع کرو) بیشک دین اور بچوں کے معاملے میں میں اس کا ولی ہوں۔ اور اگر مال چھوڑ کر مرا ہے تو وہ اس کے قریبی رشتہ داروں کا ہے)۔

حضورؐ کا یہ اعلان آج کے کسی مطلب پرست خود غرض ابن الوقت اور مصنوعی خیر خواہ سیاستدان کا نہ تھا۔ جو ووٹ کی خاطر دوران الیکشن طرح طرح کے سبز باغ دکھاتا اور پر کشش وعدے اور اعلان کرتا

ہے جب غریب کے ووٹ سے اسمبلی میں پہنچ جاتا ہے تو اس کے بعد اس منافق اور مفاد پرست کی حالت کچھ یوں ہوتا ہے کہ تو کون اور میں کون۔ مندرجہ بالا اعلان یا بیان اس لجپال غریب نواز اور یتیم پرور و غریب پرور رسول ﷺ کا تھا جو زبانی دعوؤں کا نہیں بلکہ عمل اور صرف عمل کا قائل تھا۔ وہ ایک فیصد کہتا تھا اور سو فیصد بلکہ اس سے بھی زیادہ اس پر عمل کرتا تھا۔

اللہ کریم نے آپؐ کو رحمتہ للعالمین اور رؤف ورحیم بنا کر مبعوث فرمایا تھا۔ مخلوق خدا کی ہمدردی، غمگساری، خیر خواہی اور شفقت ورحمت آپؐ کی طبیعت ثانیہ تھی، کیسے ممکن تھا کہ آپؐ ضرورت مندوں، محتاجوں، غریبوں، مسکینوں، کمزوروں اور بھوکوں کی معاشی فلاح کا کوئی انتظام نہ فرماتے۔ آنجنابؐ کی ذاتی غمخواری اور دردمندی کا یہ عالم تھا کہ جب تک بھوکے کو کھانا نہ کھلا لیتے، ننگے کو کپڑا مہیا نہ فرما لیتے، مصیبت زدہ کی مصیبت دور نہ فرما لیتے، پریشان حال کی پریشانی کا علاج نہ فرما لیتے، ضرورت مند کی ضرورت نہ پوری فرما لیتے، محتاج کی احتیاجی کا بندوبست نہ فرما لیتے، مشکل میں پھنسے ہوئے کو مشکل سے نہ نکال لیتے، درد سے کراہنے والوں کو چپ نہ کرا لیتے، مظلوم کو ظلم سے نجات نہ دلوا لیتے، خوف زدوں کے خوف کو دور نہ فرما لیتے، مقروض لوگوں کی ادائیگی قرض کا کوئی انتظام نہ فرما لیتے، یتامیٰ و بیوگان کی دیکھ بھال کی کوئی صورت پیدا نہ فرما لیتے، بے آسرا اور بے سہارا لوگوں کے لیے کوئی آسرا اور سہارا نہ لیتے، مسافر و اجنبی کو ٹھہرا نہ لیتے، نہ کما سکنے والوں کی زیست کی کوئی شکل نہ بنا لیتے، اس وقت تک آنجناب ﷺ کی ذات گرامی کو چین نہ آتا۔ یہ محض لفاظی نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ حضورؐ کی اس شفقت علی الخلق ﷺ اور انسانیت کے ساتھ ہمدردی و غمخواری کے طبعی جذبہ کی طرف قرآن نے یوں اشارہ کیا ہے۔

عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم با لمؤ منین رؤف رحیم (سورۃ توبہ: آیت ۱۲۸)

(لوگو!) تمہارا کسی مشقت میں پڑنا میرے رسول ﷺ پر بہت گراں گزرتا ہے وہ تمہاری خیر خواہی اور بھلائی کا حریص ہے۔ خصوصاً مومنین کے حق میں تو بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے۔

دکھ تمہیں ہوتا ہے، مصیبت میں تم مبتلا ہوتے ہو، درد تمہیں ہوتا ہے، مگر اس درد کی ٹیس وہ محسوس کرتا ہے۔ مولانا آزاد نے خوب لکھا ہے "وہ تمہارا دکھ برداشت نہیں کر سکتا۔ تمہاری ہر تکلیف خواہ جسمانی ہو یا روحانی اس کے دل کا درد و غم بن جاتی ہے وہ تمہاری بھلائی کی خواہش سے لبریز ہے۔ وہ اس کے لیے ایسا مضطرب قلب رکھتا ہے کہ اگر اس کی بن پڑتی تو ہدایت و سعادت کی ساری پاکیاں پہلے ہی دن گونٹ بنا کر پلا دیتا۔ پھر اس کی محبت و شفقت تمہارے ہی لیے نہیں وہ تم تمام مومنوں کے لیئے خواہ

عرب کے ہوں یا عجم کے "رؤف رحیم ہے"۔ "رؤف" "رافت سے ہے۔ اور اس کا اطلاق ایسی رحمت پر ہوتا ہے جس کسی کی کمزوری اور مصیبت پر جوش میں آئے پس رأفت رحمت کی ایک خاص صورت ہے اور رحمت عام ہے۔ دونوں کے جمع کے دینے سے رحمت کا مفہوم زیادہ قوت و تاثیر کے ساتھ واضح ہو گیا"۔ (۳۷)

آپؐ نے کبھی بھی محض وعظ نصیحت اور غریبوں، کمزوروں، بھوکوں اور مظلوموں کے حق میں زوردار تقریر پر اکتفا نہیں کیا۔ صرف زبانی الفاظ اور جھوٹ موٹ کے ٹسووں سے غریب لوگوں کو کبھی بہلانے کی کوشش نہ فرمائی کیونکہ تقریر سے کسی بھوکے کا پیٹ نہیں بھرا کرتا نہ تقریر سے مصیبت زدہ اور مظلوم کی دادرسی ہوا کرتی ہے اس لیے آپؐ ہمیشہ زبان سے زیادہ عمل کے ذریعے غرباء و مساکین کی ہر طرح سے امداد ہمدردی غمخواری اور دلداری فرماتے رہے۔ نبوت سے پہلے بھی آپؐ کی یہی عادت کریمہ تھی اور نبوت کے بعد بھی ساری زندگی یہی معمول رہا۔

دورِ نبوی کی عام مالی پالیسی :

عہد نبوت میں مالیات سے متعلق عام طور پر حضور اکرم ﷺ کی ذاتی اور سرکاری پالیسی یہی نظر آتی ہے کہ آپؐ کبھی الذی جمع ما لا و عد دہ (سورۃ الہمز : آیت ۲) کے مصداق نہیں ہے۔ جو کچھ آتا جب تک خرچ نہ کر دیا جاتا اس وقت تک آپؐ کو چین نہ آتا اور وہ فوری طور پر ضرور تمندوں اور حقداروں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ اس چیز کی تائید خادمِ خاص حضرت انسؓ سے مروی صحیح بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ :

بحرین سے خراج اور جزیے کا مال بارگاہ نبویؐ میں پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس مال کو مسجد (کے صحن) میں پھیلا دو۔ بقول راوی حضور ﷺ کے پاس جتنے بھی اموال آئے ان میں یہ سب سے زیادہ تھا۔ (۳۸) جب آپ ﷺ نماز کے لیے باہر تشریف لائے تو (اپنی طبعی سیر چشمی اور غنائے نفس کی وجہ سے) مال کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ جب نماز ہو چکی تو آپؐ مال کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ پس جو بھی نظر آتا اسے (اسکی ضرورت کے مطابق) عنایت فرما دیتے۔۔۔۔ چنانچہ آپ اس وقت تک نہ اُٹھے جب تک کہ سارا مال تقسیم نہ ہو گیا اور ایک درہم بھی باقی نہ بچا۔

ایک دوسری روایت میں المؤمنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں۔ خوب جانتی ہوں کہ حضور ﷺ کے وصال تک کی مبارک زندگی میں (آپؐ کے گھر میں) سب سے زیادہ مال کب آیا؟ ایک مرتبہ رات

کے پہلے حصے میں آپؐ کے پاس ایک تھیلی آئی جس میں آٹھ سو درہم اور ایک پرچہ تھا، وہ تھیلی آپ ﷺ نے میرے پاس بھیج دی۔ اس رات میری باری تھی۔ آپؐ عشاء کے بعد گھر واپس تشریف لائے اور حجرہ شریف میں اپنی نماز کی جگہ میں نماز شروع کر دی۔ مَیں نے آپ ﷺ کے لیے اور اپنے لیے بستر بچھایا ہوا تھا۔ میں آپ کا انتظار کرنے لگی لیکن آپ بہت دیر تک نماز پڑھتے رہے۔ نماز کے بعد آپ اپنی نماز کی جگہ سے باہر تشریف لائے اور پھر وہیں واپس چلے گئے اور نماز شروع کر دی۔ اس طرح بار بار فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ فجر کی اذان ہو گئی۔ آپ نے مسجد میں جا کر نماز پڑھائی اور پھر واپس تشریف لائے اور فرمایا وہ تھیلی کہاں ہے جس نے آج ساری رات مجھے پریشان کیے رکھا؟ چنانچہ تھیلی منگوائی اور اس میں جو کچھ تھا وہ سب تقسیم فرما دیا۔ (۴۰)

حکومتِ نبویؐ میں عطاء و بخشش کا معیار :

دنیا میں عام حکومتوں اور حکومت کی مالی پالیسیوں میں فرق بیان کرتے ہوئے سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے :

"عام سلطنتوں میں محاصل کی عطاء و بخشش شاہانہ تقرب اور عیش پسند امراء کے موروثی استحقاق اور سعی و سفارش کی بنا پر ہوتی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ دولت مندوں کی دولت مندی اور فقراء کی محتاجی میں اضافہ ہی ہوتا جاتا تھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے احکام الٰہی کے تحت جو اسلامی نظام قائم فرمایا اس میں دولت مندی اور تقرب نہیں بلکہ حاجت اور ضرورت کو معیار قرار دیا گیا کیونکہ ضعفاء کا حق اقویاء کے مقابلہ میں زیادہ توجہ کے قابل تھا۔ عرب میں لونڈیوں اور غلاموں کا کوئی حق نہ تھا لیکن آنحضرت ﷺ نے حقوق میں ان کو بھی آزاد لوگوں کے ساتھ حصہ دیا۔ ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک تھیلی لائی گئی جس میں کچھ یمنی مہریں تھیں۔ آپؐ نے ان کو لونڈیوں اور آزاد عورتوں پر تقسیم کر دیا۔ وظیفے جب تقسیم ہوتے تو آزاد، غلاموں کو سب سے پہلے ان کا حصہ دیا جاتا"۔ (۴۱)

محاصل کی آمدنی رعایا کی ضرورت کے لئے :

سلطنت کی آمدنی اور محاصل کو دیگر بادشاہوں کے برعکس آپ ﷺ کس طرح امانت تصور فرماتے اور کس طرح عام مسلمانوں کی ضرورت میں خرچ فرماتے؟ اس کا اندازہ بھی سید سلیمان ندوی کے اس تجزیہ سے فرمایئے!

"سلطنت کے مفتوحات و محاصل کو دنیا کے بادشاہوں نے ہمیشہ اپنی ذاتی ملک سمجھا اور اپنے ذاتی و خاندانی عیش و آرام کے سوا ان کا کوئی دوسرا مصرف ان کا نہ تھا اور اگر وہ اس میں سے دوسروں کو کچھ دیتے تھے تو اس کو اپنا احسان سمجھتے تھے۔ لیکن جو نظام سلطنت اسلام نے قائم کیا تھا۔ اس میں سلطنت کے سارے محاصل مال اللہ یعنی اللہ کا مال کہلاتے تھے اور صرف بیت المال کی ملکیت تھے اور مسلمانوں کے لیے تھے۔ زکوۃ، صدقہ، خراج اور جزیہ جو کچھ وصول ہوتا تھا وہ اگرچہ بحیثیت امیر سلطنت سب کا سب آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں آتا تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے اس کو اپنی نہیں بلکہ باختلاف شرائط عام مسلمانوں کی ملکیت قرار دیا اور کبھی اس کو اپنے شخصی تصرف میں نہیں لائے۔ زکوۃ کی ساری رقم اپنے اور اپنے اہل و عیال اور اپنے خاندان بنو ہاشم پر حرام فرمادی اور اس کو بحکم الٰہی عام غرباء اور اہل حاجت کا حق قرار دیا اور اس کو علانیہ ظاہر فرمایا۔ ابو داؤد میں ہے:

قال ما اوتیکم من شئی ومامنعکم ان انا الا خازن اصنع حیث ما امرت (ابو داؤد: ج ۲، ص ۱۵ کتاب الخراج والامارۃ)

فرمایا: مَیں تم کو نہ کچھ دے سکتا ہوں نہ کچھ روک سکتا ہوں۔ مَیں صرف خزانچی ہوں۔ جس موقع پر صرف کرنے کا مجھے حکم دیا جاتا ہے وہاں صرف کرتا ہوں۔

دوسرے موقع پر فرمایا: انما انا قاسم و اللہ یعطی (مَیں تو صرف بانٹنے والا ہوں دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے)۔

غنیمت کا مال بھی مجاہدوں ہی کو دے دیا جاتا تھا اور حضور ﷺ کو صرف ایک خمس یعنی پانچویں حصے پر تصرف کا اختیار ہوتا تھا۔ اس تصرف کے معنی یہ ہیں کہ اس حصے سے حضور ﷺ اپنے اہل بیت کے علاوہ ان نادار اور محتاج مسلمانوں کو دیا کرتے تھے۔ جن کو جنگ کے قواعد کو رو سے مال غنیمت سے نہیں مل سکتا تھا۔ اس طرح لڑائی کے بغیر جو علاقہ اسلام کے تصرف میں آتا تھا وہ حضور ﷺ کے تصرف میں گو براہ راست دے دیا جاتا تھا۔ لیکن اس تصرف کا مقصد بھی یہی ہوتا تھا کہ حضور ﷺ اس کی آمدنی اپنی صوابدید سے اپنی خانگی ضروریات میں صرف فرمانے کے بعد اسلام کی ضروریات ہی میں صرف فرماتے تھے اور اعلان فرمایا تھا کہ یہ مسلمانوں کی ضروریات ہی میں صرف ہوگی"۔ (۴۲)

خمس کے مصارف کو قرآن نے متعین کر دیا ہے (آغاز پارہ: ۱۰) یعنی خمس (کل مال غنیمت کا ۱/۵ حصہ) اللہ کیلئے، رسول کیلئے، قرابت داروں کے لئے، مساکین اور مسافروں کیلئے، مختص ہے۔ اس سے اس امر پر بھی خوب روشنی پڑجاتی ہے کہ پہلے پہل جب بیت المال قائم ہوا تو ابتدائی آمدنی کے وقت سے ہی

غریب و مسکین اور نادار لوگوں کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ مزید بر آں اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بیت المال کے خمس کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ ملت ہی کے مفادات و مصالح اور ضرورت مندوں کی اعانت وامداد پر صرف ہوتا تھا اور کل غنیمت کے ۱/۵ (خمس) کا ۱/۵ یعنی غنیمت کا صرف پچیسواں حصہ رسول اللہ ﷺ کے ذاتی صرف میں آتا تھا (۴۴)

امام ابو یوسفؒ نے تصریح کی ہے کہ خمس کے پانچ حصے کیے جاتے تھے۔ ایک اللہ ورسول ﷺ کیلئے دوسرا قرابت داروں کیلئے' تیسرا یتیموں کیلئے' چوتھا مسکینوں کیلئے اور پانچواں مسافروں کیلئے ہوتا تھا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں خمس کا جو پانچواں حصہ آتا تھا۔ آپ ﷺ اس کو بھی تین حصوں میں بانٹ دیتے تھے۔ یعنی :

۱۔ اللہ کی راہ میں خرچ فرمادیتے تھے۔

۲۔ قوم میں حضور ﷺ کا جو نائب ہوتا تھا اس کو بھی اس میں سے دیتے تھے' پھر جب مال زیادہ ہو گیا تو۔

۳۔ یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کو بھی دینے لگے۔

ان تحصیلات کی روشنی میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد بالکل صحیح تھا کہ :لیس لی من مغنکم الا الخمس والخمس مردود علیکم(۴۵)

تمہارے مال غنیمت میں سے میرے لئے صرف پانچواں حصہ ہے اور یہ بھی تمہیں لوگوں پر واپس لوٹا (تقسیم) کر دیا جاتا ہے۔

رعایا کی ضروریات پوری کرنے کا عام اسلوب

عہد نبوی ﷺ میں باقاعدہ وزارتیں اور مختلف محکمے وجود میں نہیں آئے تھے۔ اس لیے ہر سائل براہ راست بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوتا اور اپنی حاجت پیش کرتا۔ اب دیکھتے ہیں کہ نبی رحمت ﷺ ضرورت مند لوگوں کی ضروریات عام طور پر کس طرح پوری فرماتے تھے اور کس طرح ان کی ضرورتوں پر خرچ کرتے تھے ؟ تو اس کی تفصیل اس خوش نصیب آدمی کی زبانی سنتے ہیں۔ جنہیں مؤذن رسول ہونے کے علاوہ بعثت سے لے کر حضور ﷺ کے وصال تک آپ ﷺ کے خزانچی ہونے کا شرف بھی حاصل رہا۔ چنانچہ حضرت بلالؓ فرماتے ہیں کہ "جب حضور اکرم ﷺ کے پاس کوئی مسلمان آدمی آتا اور اسے ننگا (یا بھوکا) دیکھتے تو مجھے اس کے لئے کپڑے مہیا کرنے کا حکم فرماتے۔ میں جا کر قرض

لیتا'اس کیلئے کپڑے اور متعلقہ چیزیں خرید تا۔اسے کپڑے پہناتا اور کھانا کھلاتا (۴۶) حضور اکرم ﷺ کے اخراجات کا سلسلہ اس طرح چلتا رہتا۔ایک دن مجھے ایک مشرک آدمی ملا اور کہنے لگا بلال!" میرے پاس بڑی وسعت ہے۔ میرے علاوہ کسی سے قرض نہ لیا کرو" چنانچہ میں اس سے قرض لینے لگا۔ پھر یوں ہوا کہ ایک دن میں وضو کر کے اذان کیلئے کھڑا ہوا تو وہ مشرک تاجروں کی ایک جماعت کے ساتھ آدھمکا اور مجھے دیکھ کر کہنے لگا"یا حبشی" (اے حبشی) میں نے کہا حاضر ہوں۔وہ (بد تمیزی سے) مجھے مجھ پر اور ایک سخت بات کہی (یقیناً گالی دی ہوگی) پھر کہنے لگا" جانتے ہو مہینہ ختم ہونے میں کتنے دن باقی ہیں ؟میں نے کہا مہینہ ختم ہونے کے قریب ہے۔کہنے لگا" مہینہ ختم ہونے میں صرف چار دن باقی ہیں اگر تو ادائیگی نہیں کرتا تو تجھے اپنی اس رقم کے عوض گرفتار کرلوں گا جو تیرے ذمہ ہے۔میں نے تمہیں جو کچھ دیا تھا وہ تیرے یا تیرے صاحب (پیغمبر ﷺ) کی بزرگی کی وجہ سے نہیں دیا تھا بلکہ اس لئے دیا تھا کہ اس بہانے تجھے اپنا غلام بنالوں اور تجھ سے اسی طرح بکریاں چرواؤں جس طرح اس سے پہلے بکریاں چرایا کرتا تھا" میرے دل میں اس (دولت کے نشے میں مخمور مشرک) کی اس بات سے وہی چیز بیٹھ گئی جو ایسے مواقع پر لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جایا کرتی ہے۔بہر کیف میں گیا اور اذان پڑھی۔جب عشاء کی نماز پڑھ چکا اور حضور ﷺ نماز پڑھا کر گھر تشریف لے گئے۔ تو اجازت لے کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔اور عرض کیا"یارسول اللہ ﷺ! (فداک ابی وامی) جس مشرک کے متعلق میں نے عرض کیا تھا کہ میں اس سے قرض لیا کرتا ہوں اس نے مجھے یوں یوں کہا ہے۔ادھر نہ آپ ﷺ کے پاس اور نہ میرے پاس کوئی چیز ہے جس سے اس کی ادائیگی ہو سکے اور وہ مجھے خواہ مخواہ ذلیل کرے گا۔لہذا آپ ﷺ اجازت فرمائیں کہ میں (مدینہ منورہ سے باہر) بعض مسلمان قبائل کے پاس چلا جاؤں حتی کہ اللہ کریم اپنے رسول ﷺ کو اتنا رزق عطا فرمادے جس سے اس کی ادائیگی ہو سکے" یہ کہہ کر میں کاشانہ نبوی ﷺ سے نکلا اور گھر آیا۔اپنی تلوار 'نیزہ اور جوتے سر کے پاس رکھے اور صبح کی انتظار میں لیٹ گیا۔جب بھی سونے کی کوشش کرتا فکر سے پھر آنکھ کھل جاتی۔اس طرح کرتے کرتے رات گزر گئی۔اور صبح صادق طلوع ہوئی۔میں گھر سے نکلنے ہی لگا تھا کہ ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور پکارا کہ "اے بلال تمہیں حضور ﷺ بلا رہے ہیں۔میں حضور ﷺ کی طرف چل پڑا۔میں نے دیکھا کہ کاشانہ نبوی ﷺ کے باہر چار اونٹ بیٹھے ہیں اور ان پر سامان لدا ہوا ہے۔ میں بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا"تمہیں خوشخبری ہو۔اللہ کریم نے تمہارے قرض کی ادائیگی کا انتظام فرمادیا ہے" میں نے الحمد للہ پڑھا۔پھر آپ ﷺ نے پوچھا"کیا تم نے باہر بیٹھے ہوئے چار اونٹ نہیں دیکھے ؟" میں نے عرض کیا کیوں نہیں۔

ضرور دیکھے ہیں۔ فرمایا" یہ اونٹ اور جتنا سامان ان پر لدا ہوا ہے وہ سب تیرا ہے۔" ان اونٹوں پر کپڑے اور کھانے پینے کا سامان تھا جسے فدک کے رئیس نے حضور ﷺ کیلئے بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ فرمایا" یہ اونٹ اور سامان لے لو اور اپنا قرض اتارو۔" حضرت بلالؓ فرماتے ہیں میں نے اونٹوں سے سامان اتارا اور انہیں رسی سے باندھ دیا۔ پھر میں نے صبح کی اذان پڑھی۔ جب حضور ﷺ نماز پڑھا چکے تو میں بقیع کی طرف نکلا اور کانوں میں انگلیاں ڈال کر زور زور سے اعلان کرنے لگا" جس کسی نے رسول اللہ ﷺ سے قرض لینا ہے وہ آجائے" پس میں سامان بیچ بیچ کر قرض اتارنے لگا حتی کہ حضور ﷺ پر کوئی قرض باقی نہ رہا۔ سارا قرض اتارنے کے بعد بھی میرے پاس ڈیڑھ دو اوقیہ بچ رہے اب میں مسجد میں آیا تو شام ہو چکی تھی۔ حضور ﷺ مسجد میں اکیلے بیٹھے تھے میں نے سلام عرض کیا تو دریافت فرمایا" تمہارے معاملے کا کیا ہوا" میں نے عرض کیا" اللہ کریم نے وہ سب کچھ ادا فرما دیا ہے جو حضور ﷺ کے ذمہ تھا اور اب کوئی قرض باقی نہیں رہا" پوچھا" کیا کوئی چیز باقی بچی ہے" میں نے عرض کیا ہاں۔ دو دینار بچے ہیں۔ فرمایا" دیکھو! انہیں خرچ کر کے مجھے راحت پہنچاؤ۔ میں اس وقت تک گھر میں داخل نہیں ہوں گا جب تک کہ تو انہیں خرچ کر کے مجھے راحت نہیں پہنچاتا" حضرت بلالؓ فرماتے ہیں کہ اتفاق سے اس دن رات گئے تک کوئی آدمی نہ آیا تو حضور ﷺ نے رات مسجد میں ہی گزاری۔ دوسرے دن بھی مسجد میں ہی تشریف فرما رہے۔ حتی کہ شام کو دو مسافر سوار آگئے۔ میں نے ان دو دینار کے کپڑے اور کھانا خرید کر انہیں پہنا دیا اور کھلا دیا۔ جب آپ ﷺ عشاء کی نماز پڑھ چکے تو پھر مجھے بلایا اور پوچھا" تیرے معاملے کا کیا ہوا؟" میں نے عرض کیا" اللہ نے آنجناب ﷺ کو اس سے راحت پہنچادی ہے" آپ نے اللہ اکبر کہا اور دو دیناروں کے خرچ ہونے پر اللہ کا شکریہ ادا کیا اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ آپ ﷺ کو اچانک اللہ کی طرف سے بلاوا آجائے اور یہ دینار آپ کے پاس موجود ہوں۔ اب آپ ﷺ اٹھے اور ازواج مطہرات کے حجروں کی طرف چلے۔ حضرت بلالؓ کہتے ہیں میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے تھا۔ آپ ﷺ ایک ایک زوجہ محترمہ کے پاس تشریف لے گئے ہر ایک کو سلام کیا پھر آخر میں اس حرم کے پاس پہنچے جن کے پاس رات گزارنے کی باری تھی۔ (۴۷)

آپ کا عام معمول بھی یہی تھا کہ اگر کوئی پیسہ آیا اور رات تک خرچ نہیں ہوا اور نہ ہی کسی مستحق کو دیا جا سکا تو رات کو دولت کدہ میں تشریف نہ لے جاتے۔ ایک رات ایک اوقیہ چاندی صدقے کی بچ رہی تو ساری رات نیند نہ آئی (۴۸)

مفلوک الحال جماعت کی ضرورت کا اہتمام

اب ہم آپ کو بحر سیرت کے چند آبدار موتی اور گلشن سیرت کے چند عطر بیز پھول دکھانا چاہتے ہیں : جن کی چمک دمک اور روح پرور مہک سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ اسلامی ریاست کے موسس اول ﷺ نے کس کمال ذمہ داری ٗ ہمدردی اور شفقت سے اپنی رعایا کے ضرورت مندوں کی ضروریات کو پورا فرمایا ہے۔ چنانچہ مسلم شریف میں حضرت جریرؓ سے مروی ہے کہ ہم ایک مرتبہ شروع دن میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ کچھ لوگ ننگے پاؤں ننگے جسم دھاری دار چادریں پہنے اور تلواریں لٹکائے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اس فقر و فاقہ اور خستہ حالی کو دیکھ کر آپؐ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا۔ پریشانی میں آپؐ کبھی اندر تشریف لے جاتے اور کبھی باہر تشریف لے آتے۔ پھر آپؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ نماز کے بعد آپؐ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا خطبے میں آپؐ نے سورۃ ان کی ابتدائی آیت کریمہ اور سورۃ الحشر کی آیت "یا ایها الذین امنوا اتقوا الله ولتنظر نفس ما قدمت لغد" پڑھ کر لوگوں کو اپنے غریب مفلس اور حاجت مند بھائیوں پر صدقے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہر آدمی چاہے اس کے پاس ایک ہی دینار ہو، ایک ہی درہم ہو ایک ہی کپڑا ہو ٗ ایک صاع گندم کا یا ایک صاع کھجور کا ہو، اس میں سے صدقہ کرے۔ حتیٰ کہ اگر اس کے پاس ایک کھجور ہے تو کھجور کے ٹکڑے سے بھی اپنے بھائیوں کی مدد کرے۔ آپؐ کا فرمانا تھا کہ لوگ گھروں کو دوڑ کھڑے ہوئے اور دھڑا دھڑ حسب توفیق چیزیں لانے لگے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ تھوڑی دیر میں کپڑوں اور کھانے کے دو ڈھیر لگ گئے۔ صحابہ کرام کے اس جذبہ ہمدردی اور مواسات کو دیکھ کر دوسرے فقراء کی ضرورت کو اس طرح پورا ہوتے دیکھ کر :

رایت وجه رسول الله ﷺ یتهلل کانه مذهبة(۴۹)

میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور خوشی سے یوں کھل اٹھا گویا کہ وہ چمکتا ہوا سونے کا ایک ٹکڑا ہے۔

اسلام نے اس چیز کو ایمان کے ہی منافی قرار دیا ہے کہ ایک آدمی خود تو خوب سیر ہو کر کھالے اور اس کے پڑوس میں رہنے والا رات بھوکے ہی بسر کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا :

ليس المؤمن بالذی يشبع وجاره جاع الی جنبه رواه البيهقی فی شعب الايمان (۵۰)

"وہ شخص کامل مومن نہیں جو خود تو سیر ہو اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا پڑا۔"

ایک حدیث میں فرمایا:

ایمااهل عرصة اصبح فيهم امرء جائعا فقد براء ت منهم ذمة الله(۵۱)

جس بستی میں کسی شخص نے اس حال میں صبح کی کہ رات بھر بھوکا رہا تو اس بستی سے اللہ کی حفاظت و نگرانی کا وعدہ ختم۔

انسان جس طرح کا خود کھائے' پہنے' ایمان کا مطالبہ ہے کہ اسی طرح کا کھانا پینا اور پہننا اپنے ماتحت بنیادی ضروریات سے محروم لوگوں کو بھی دے۔

ایک بچے کو قمیص اتار کر دے دینا

سورة بنی اسرائیل کی آیت :۲۹' اور ۳۰ کے تحت متعدد مفسرین مثلاً زمخشری نے کشاف میں' ابوحیان اندلسی نے بحر المحیط میں' علامہ آلوسی نے روح المعانی میں' شیخ اسماعیل حقی نے روح البیان میں اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں بیان کیا ہے کہ ایک خاتون نے ایک لڑکا قمیص کی درخواست کے ساتھ بارگاہ نبوی ﷺ میں بھیجا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ اس وقت تو کچھ نہیں پھر کسی وقت آجانا۔ لڑکا واپس گیا تو اس کی ماں نے دوبارہ اسے بھیجا اور کہا کہ حضور ﷺ سے کہو" اور قمیص نہیں تو آپ کے جسم پر تو ہے۔ یہی عنایت فرمادیں" حضور ﷺ اندر تشریف لے گئے اور قمیص اتار کر لڑکے کے حوالے کر دی۔ اب مزید کوئی کپڑا نہ ہونے کی وجہ سے گھر میں ہی بیٹھے رہے حتی کہ نماز کے لئے بھی باہر تشریف نہ لا سکے۔ صحابہ کو تشویش ہوئی۔ اندر گئے تو اصل صورت حال معلوم ہوئی اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

ولا تجعل يدک مغلولة الی عنقک ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوما محسورا۔ ان ربک يبسط الرزق لمن يشاء ويقدر انه كان بعباده خبيرا بصيرا(سورہ بنی اسرائیل آیت :۲۹۔۳۰)

(اے پیغمبر! نہ تو آپ ﷺ اپنا ہاتھ گردن سے باندھ لیں (کہ کسی کو کچھ دیں ہی نہیں) اور نہ اسے بالکل ہی کھول دیں کہ (بخل کی صورت میں) ملامت زدہ اور (سب کچھ لٹا دینے کی صورت میں)

حسرت زدہ ہو کر بیٹھ جائیں۔ بیشک آپ ﷺ کا پروردگار جس کے لئے چاہتا ہے رزق بڑھا دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے ہاتھ تنگ کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے خبر رکھنے والا اور ان کے حالات دیکھنے والا ہے۔ (لہذا آپ ﷺ کو ان کی تنگی معاش کی اتنی فکر نہ ہونی چاہیے)۔

حضورؐ کی ذات گرامی چونکہ سارے انسانوں کے واسطے ایک نمونہ ہے اور انسانوں کی اکثریت کا اپنی طبعی اور بشری کمزوریوں اور کم ہمتی کی وجہ سے بس کا روگ نہیں کہ وہ گھر کا سارا اثاثہ اور اپنے پاس موجود سب کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کر سکیں۔ اس لیے حضور ﷺ کو تعلیم امت کے واسطے انفاق میں میانہ روی کا حکم ارشاد فرمایا گیا ورنہ حضور ﷺ کی ذاتی طبیعت فطرت اور جبلت تو یہ تھی کہ سب کچھ خرچ کرنے پر حسرت افسوس کی بجائے اس وقت تک چین نہیں آتا تھا جب تک کہ خرچ نہ کر لیں۔ دوسری بات یہ تھی کہ جبلی جود و کرم کے باعث "لا" (نہیں) کا لفظ آپؐ کی ڈکشنری میں ہی نہیں تھا۔ عینی شاہدوں کا بیان ہے:

ما سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن شی قط فقال لا۔(۵۲)

(ترجمہ) نبی اکرم ﷺ سے کبھی کسی ایسی چیز کا سوال نہیں کیا گیا جس کے جواب میں آپؐ نے "نہیں" فرمایا ہو۔

واقعہ ہذا کی معاشی تعلیمات

مندرجہ بالا واقعہ سے استنباط کرتے ہوئے دور حاضر کے معرف ماہر معاشیات ڈاکٹر نور محمد غفاری مد ظلہ نے اپنی "صدارتی ایوارڈ یافتہ" کتاب "نبی اکریم ﷺ کی معاشی زندگی" میں لکھا ہے۔

اس چھوٹے سے واقعہ سے ہمیں چار معاشی تعلیمات ملتی ہیں:

۱۔ والدہ کا اپنے بیٹے کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کرتہ لینے کیلئے بھیجنا اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ نے کفالت عامہ کی جو ذمہ داری بحیثیت رئیس دولت اسلامیہ قبول کر رکھی تھی اس کا علم اس محتاج عورت کو بھی تھا۔

۲۔ اس لڑکے کا آپ ﷺ کا کرتہ مبارک پکڑ کر کہنا کہ آپ ﷺ نے تو کرتہ پہن رکھا ہے مجھے نہیں دیتے۔ اس امر واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ لڑکا بھی جانتا تھا کہ ننگوں کو کپڑا پہنانا آپ ﷺ کی ـــــ بحیثیت رئیس دولت اسلامیہ ـــــ ذمہ داری ہے۔

۳۔ آپ ﷺ کا اپنا کرتہ مبارک اتار کر اس لڑکے کو دیدینا اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ آپ ﷺ کو

اعتراف تھا کہ ایسے بے کسوں اور بیواؤں کو کپڑا پہنانا آپکی ذمہ داری ہے۔ لہذا آپ ﷺ نے اپنا کرتہ تک اتار کر اس ننگے برہنہ لڑکے کے سپرد کر دیا۔

۴۔ قیامت تک آنے والے اسلامی ریاست کے حکمرانوں کو یہ سبق دے دیا کہ یہ کیونکر درست ہے کہ وہ خود تو اپنی ضروریات پوری کر رہے ہوں (مثلاً کپڑے پہن کر رہیں) اور ان کی رعایا کے محتاج اور بے کس برہنہ تن یا برہنہ پا یا پیٹ سے بھوکے پھریں۔

یورپ کو ناز ہے اس بات پر کہ اس نے کفالت عامہ (Social Security) کا تصور پیش کر کے عاجز ودرماندہ اور محتاج انسانوں پر احسان کیا ہے۔ مگر شاید یورپ اور اس کے متاثرین یہ بھول گئے ہیں کہ یورپ نے اس کار خیر کا آغاز انیسویں صدی میں کیا اور اس کا سہرا برطانوی وزیر بیورج (Beveridge) کے سر باندھتے ہیں۔ جس نے ۱۹۴۲ء میں بیورج رپورٹ (Beveridge Report) پیش کر کے محتاجوں کو کچھ دینے کی اپیل کی تھی۔ مگر ہمارے نبی کریم ﷺ نے اس کار خیر کا آغاز اس زمانے میں کیا جب دنیا کفالت عامہ کے تصور سے ہی خالی تھی (۵۴)

ایک انصاری کو اپنا قمیص پہنا

نبی رحمت ﷺ کو ضرورت مند لوگوں کا کتنا احساس تھا' آپ ﷺ کس طرح ان کی ضروریات پوری فرماتے اور کس طرح آپ ﷺ بے آسروں کی مدد اور ہمدردی فرماتے تھے۔ اس کا اندازہ حافظ ابن کثیر کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس مشاہدے سے لگائیے کہ :

نبی اکرم ﷺ نے کپڑے کے ایک تاجر کو دیکھا تو اس سے چار دراہم میں ایک قمیص خریدی۔ اسے زیب تن فرما کر باہر نکلے تو اچانک ایک انصاری آپ ﷺ کے سامنے آیا اور عرض کرنے لگا۔ یارسول اللہ ﷺ مجھے ایک عدد قمیص پہنائیے (شاید وہ ننگے جسم تھا) اللہ کریم آپ کو جنت کے کپڑوں میں سے قمیص پہنائے۔ حضور ﷺ کے پاس اور تو کوئی قمیص تھی نہیں۔ وہی قمیض اتاری اور اس انصاری کو پہنادی۔ پھر دوبارہ دوکان پر تشریف لے گئے اور وہاں سے اپنے لئے مزید ایک قمیض چار درہم میں خریدی۔ تاہم ابھی آپ ﷺ کے پاس دو درہم باقی تھی۔ دوکان سے نکل کر چلے تو راستے میں ایک باندی (لونڈی) کو روتے دیکھا۔ فرمایا کیوں رو رہی ہو ؟ اس نے عرض کیا یارسول اللہ ! میرے گھر والوں نے آٹا خریدنے کیلئے مجھے دو درہم دیئے تھے وہ درہم مجھ سے ضائع ہو گئے ہیں۔ حضور ﷺ نے اپنے پاس بقیہ دو درہم اسے عنایت فرما دیئے۔ (فرمایا ان سے آٹا خرید لو) حضور ﷺ وہاں سے چلے تو وہ لونڈی

بدستور رو رہی تھی۔ فرمایا اب کیوں روتی ہو جب کہ تمہیں دو درہم مل گئے ہیں؟ اس نے عرض کیا اس خوف سے کہ گھر والے شاید مجھے ماریں گے۔ (فرمایا چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں چنانچہ) آپ ﷺ اس کے ساتھ اس کے گھر والوں کے پاس تشریف لائے۔ دروازے پر پہنچ کر اجازت لینے کیلئے آپ نے السلام علیکم کہا تو گھر والوں نے آپ کی آواز مبارک کو پہچان لیا (مگر جواب نہ دیا بالکل آہستہ دیا کہ سنائی نہ دیا) آپ ﷺ نے دوبارہ سلام فرمایا (تو دوسری دفعہ بھی انہوں نے جواب نہ دیا بالکل آہستہ دیا کہ سنائی نہ دیا (پھر آپ ﷺ تیسری مرتبہ سلام فرما کر لوٹنے لگے تو انہوں نے سلام کا جواب عرض کیا اور حاضر خدمت ہوئے فرمایا تم نے پہلی مرتبہ میرا سلام نہیں سنا تھا؟ وہ عرض کرنے لگے کیوں نہیں۔ یقیناً سنا تھا مگر ہم نے چاہا کہ اس بہانے آپ اپنی زبان سے مزید ہم پر سلام فرمائیں گے اور یوں ہمارا مدعا پورا ہو گیا۔ اب ارشاد فرمایئے کہ آنجناب ﷺ نے کس طرح قدم رنجہ فرمایا؟ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ فرمایا تمہاری اس لونڈی کو ڈر تھا کہ کہیں تم اسے (دیر ہونے پر) سزا نہ دو۔ (اس لئے اسے کچھ نہ کہنے کی سفارش کرنے کیلئے آیا ہوں) اس لونڈی کے مالک نے عرض کیا۔ یارسول اللہ مارنا تو بعد کی بات ہے آج سے ہمیشہ کے واسطے اللہ کی رضا کیلئے آزاد ہے کیونکہ آپ ﷺ اس کے ساتھ چل کر تشریف لائے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے ان گھر والوں کو اس احسان پر نیکی اور جنت کی بشارت دی۔ (۵۴)

میرے نام پر قرض اٹھالو

نبی اکرم ﷺ کو لوگوں کی ضروریات کا کتنا احساس تھا۔ اس کی ایک جھلک درج ذیل روایت میں دیکھئے:

حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک ضرورت مند آدمی حضور ﷺ کے پاس آیا۔ اور درخواست کی کہ آپ اسے کچھ عنایت فرمائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس وقت تو میرے پاس کوئی چیز نہیں البتہ جو کچھ لینا چاہتے ہو میرے نام پر خرید لو جب میرے پاس کوئی چیز آجائے گی تو میں ادائیگی کردوں گا۔ حضرت عمرؓ جو پاس ہی بیٹھے تھے' نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ جس چیز پر قدرت نہیں رکھتے یا جو چیز آپ ﷺ کے پاس نہیں ہے' اللہ نے جب اس کا آپ ﷺ کو مکلف نہیں کیا تو آپ ﷺ خواہ مخواہ کیوں تکلیف فرماتے ہیں؟ حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کی اس بات یا مشورے کو پسند نہ فرمایا۔ ایک انصاری نے حضور ﷺ کی اس ناگواری کو دیکھا تو عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ آپ بے دھڑک خرچ کرتے رہیے اور عرش والے مالک سے کسی قسم کی کمی کا خوف نہ کیجئے۔ انصاری کی یہ بات چونکہ آپ ﷺ کے دل کی آواز تھی اس لئے سن کر تبسم فرمایا اور خوشی سے چہرہ کھل اٹھا' پھر فرمایا ہاں

مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے۔(۵۵)

فاقہ کشوں کی مہمان نوازی

فاقہ کشوں کی فاقہ کشی کا علاج حکومت کا بنیادی فرض ہے۔ دور نبوی ﷺ میں کوئی باقاعدہ وزارت خوراک تو نہ تھی تاہم آپ ﷺ نے اس فرض کو پورا کرنے کے لیے ہر ممکن طریقہ اختیار فرمایا۔ خوراک کی فراہمی میں سب سے زیادہ کردار آپ کے اپنے گھرانا کا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں مسند امام احمد کا ایک روح پرور اور ایمان افروز واقعہ ملاحظہ فرمائیے:

حضرت مقداد بن الاسودؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ فقر و فاقہ اور سخت بھوک نے میرے دو ساتھیوں کو اور مجھے آلیا۔ حتی کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے ہماری آنکھوں میں اندھیرا ہونے لگا۔ جب کوئی اور چارہ کار نظر نہ آیا تو ہم نے سوچا کہ اصحاب رسول ﷺ کے پاس چلتے ہیں شاید کسی کی طرف سے کھانے کی دعوت مل جائے۔ چنانچہ ہم لوگ سب صحابہؓ کے پاس باری باری گئے۔ مگر ان سب کے ہاں بھی تو افلاس نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ نتیجۃً یہ ہوا کہ کسی ایک نے بھی ہم سے "صلح" نہ ماری اور کوئی ہمیں ٹھہرانے کیلئے تیار نہ ہوا۔ اب در رسول ﷺ پر جانے کے علاوہ بچنے کی کوئی شکل دکھائی نہ دیتی تھی اس لیے ہم حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ ہمیں اپنے گھر لے گئے اور فرمایا یہ چار بکریاں ہیں خود بھی دودھ پیو اور ہمیں بھی پلاتے رہو۔

ہم کئی دن تک حضور ﷺ کے گھر میں رہے۔ ہمارا معمول یہ تھا کہ بکریوں کا دودھ دوہ کر اس کے چار حصے کرتے۔ ایک حصہ حضور ﷺ کے واسطے چھوڑ دیتے اور باقی اپنے اپنے حصے کا پی کر سو جاتے حضور ﷺ عموماً رات کو دیر سے گھر تشریف لے آتے اور اتنی آواز سے سلام کہتے کہ جاگنے والا تو سن لیتا اور سوئے ہوئے کی نیند میں خلل واقع نہ ہوتا۔ بعد ازاں تھوڑی دیر نوافل پڑھتے اور پھر دودھ کے برتن کے پاس آکر دودھ نوش فرما لیتے۔ ایک دن شیطان نے میرے دل میں وسوسہ ڈالا کہ "حضور ﷺ انصار کے ہاں گئے ہیں۔ آپ وہاں سے کھا پی لیں گے۔ اس گھونٹ دودھ کو آپ ﷺ کیا کریں گے۔ لہذا تجھے خود یہ دودھ پی لینا چاہیے۔" اس وسوسے کو وہ میرے دل میں القاء کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میں اٹھا اور حضور ﷺ کے حصے کا دودھ ہڑپ کر گیا۔ پینے کو تو پی لیا مگر اب انتہائی ندامت محسوس ہوئی۔ میں اپنے آپ سے کہنے لگا "افسوس تو نے کیا کر دیا؟ تو نے حضور ﷺ کا دودھ پی لیا۔ جب آپ تشریف لائیں گے اور دودھ نہیں دیکھیں گے تو تیرے لیے بددعا فرمادیں گے اور یوں تیری دنیا و آخرت خراب

ہو جائے گی۔" میں نے ادھر ادھر بہت پہلو بدلے مگر اس پریشانی کی وجہ سے مجھے نیند نہ آئی۔ میرے دوسرے دونوں ساتھی سو چکے تھے اتنے میں حضور ﷺ بھی تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے حسب معمول آہستہ سے سلام کیا پھر مسجد میں نماز پڑھی اور دودھ کے برتن کے پاس تشریف لائے۔ ڈھکنا ہٹایا تو اس میں کوئی چیز نہ تھی۔ آپ ﷺ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا میں نے سمجھا۔ اب شامت آئی۔ حضور ﷺ بددعا فرمائیں گے۔ مگر آپ ﷺ نے یوں دعا کی۔

"اللھم اطعم من اطعمنی واسق من سقانی"

(اے اللہ! تو اس شخص کو کھانا کھلا جو مجھے کھلائے اور اس شخص کو کو پلا جو مجھے پلائے)

یہ سن کر میں نے چادر اوڑھی چھری پکڑی اور بکریوں کی طرف گیا کہ ایک کو آپ ﷺ کے واسطے ذبح کرتا ہوں۔ بکریوں کے پاس جاکر دیکھا کہ سب کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے۔ جلدی جلدی ایک برتن میں دودھ دوہا اور حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا تم لوگوں نے دودھ پی لیا ہے؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ پیئیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے پی لیا اور باقی مجھے دیدیا میں نے عرض کیا حضور! اور پیجئے آپ ﷺ نے تھوڑا سا مزید پی کر باقی مجھے عنایت فرمادیا اور میں نے پی لیا۔ جب میں نے یقین کر لیا کہ آپ سیر ہو گئے ہیں اور آپ کی مذکورہ دعا کا بھی میں مستحق ہو گیا ہوں تو مجھے خوب ہنسی آئی۔ حضور ﷺ نے پوچھا مقداد کیا بات ہے؟ میں نے سارا قصہ کہہ سنایا تو فرمایا یہ دودھ اللہ کی طرف سے خصوصی رحمت تھی مگر اس بات کا دکھ ہے کہ تو نے اپنے ساتھیوں کو نہیں جگایا وہ بھی پیتے تو بہت اچھا ہوتا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! جب آپ ﷺ نے نوش فرمالیا تو باقی لوگوں کی کوئی پروا نہیں (۵۶)

حضرت ابوہریرہؓ اور چند دوسرے بھوکوں کو کھانا کھلانا

اسی طرح ایک اور ایمان افروز واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیے

۔ حضرت ابوہریرہؓ اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک دن بھوک نے مجھے ستایا تو مجبوراً گھر سے مسجد نبوی ﷺ کی طرف نکل کھڑا ہوا۔ راستے میں چند اور صحابہ سے ملاقات ہوئی تو وہ تعجب سے پوچھنے لگے اے ابوہریرہؓ! اس وقت کہاں؟ (غالباً وہ وقت عام لوگوں کے سونے کا ہوگا) میں نے دل کی بات بتاتے ہوئے کہا کہ مجھے اس وقت گھر سے نکلنے پر بھوک نے مجبور کیا ہے۔ وہ کہنے لگے قسم خدا۔ ہمارا بھی یہی معاملہ ہے ہمیں بھی بھوک ہی نے اس وقت گھروں سے نکالا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں

کہ ہم سب مل کر حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے پوچھا بھائی اس وقت تم سب کیسے ؟ ہم نے صاف عرض کیا : یارسول اللہ ﷺ ! اس وقت بھوک ہمیں آپ کے پاس لائی ہے۔ نبی رحمت ﷺ کے نوارانی مکھڑے پر ان فقیروں کے بے وقت آدھمکنے اور آرام میں مخل ہونے کے کوئی ناگوار اثرات ظاہر نہیں ہوئے بلکہ فوراً کھجوروں کا ایک طبق منگوایا اور ہر آدمی کو دو دو کھجوریں عنایت فرماتے ہوئے فرمایا۔ یہ کھالو اور اوپر سے پانی پی لو یہ آج کے دن تمہارے لئے کافی ہور ہیں گی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک کھجور کھالی اور دوسری کو بچا کے گود میں رکھ لیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا۔ ابو ہریرہؓ نے کھجور کیوں بچا کر رکھی ہے ؟ میں نے عرض کیا اپنی امی کیلئے۔ فرمایا تم کھاؤ تمہاری ماں کیلئے ہم مزید دو کھجوریں دے دیں گے۔ چنانچہ میں نے وہ کھجور نوش کرلی اور والدہ کیلئے حضور ﷺ نے مزید دو کھجوریں دے دیں۔ (۵۷)

حضور ﷺ کے گھروں میں فاقے کی وجہ

حضور ﷺ کے گھروں میں اکثر فاقوں اور اہل بیت کے کمال صبر و شکر کی متعدد روایات حدیث و سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ جن کی یہاں گنجائش نہیں ہو سکتی۔ البتہ ابن سعد نے ان فاقوں کی ایک وجہ بتائی ہے جس کا بیان کرنا ضروری ہے لکھتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہؓ (جنہیں دن رات حضور ﷺ کے قریب رہنے کا اتفاق ہوتا تھا) نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ اکثر بھوکے رہتے تھے۔ سننے والے راوی اعرج نے دریافت کیا اس بھوک کی وجہ کیا تھی تو حضرت ابو ہریرہؓ نے بتایا کہ :

لکثرة من یغشاه واضیافه وقوم یلزمو نه لذا فلا یا کل طعام ابدا الامعه اصحابه واهل الحاجة یتتبعون من المسجد(۵۸)

ترجمہ) کثرت سے آپ ﷺ کے ہاں آنے والے مہمانوں اور ان مفلس لوگوں کی وجہ سے جو کھانے کیلئے آپ ﷺ کے ساتھ چمٹے رہتے تھے۔ آپ ﷺ جب بھی کھانا تناول فرماتے تو آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے صحابہ اور وہ اھل حاجت بھی شریک ہو جاتے جو مسجد سے ہی آپ کی پیچھے آجاتے۔

ابو بصرہؓ غفاری کا بیان ہے کہ میں اسلام لانے سے قبل ایک رات حضور ﷺ کے ہاں مہمان ٹھہرا۔ آپ ﷺ نے اس بکری کا دودھ دوہ کر مجھے پلادیا جو گھر والوں کو ملا کرتا تھا۔ حضور ﷺ کے اہل و عیال بھی کوئی ہمارے اہل و عیال نہ تھے۔ صبر و شکر ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ سب کہنے لگے۔ ہم

آج رات بھی اسی طرح بھوکے گزار لیں گے جس طرح کل رات بھوکے گزار لی تھی۔

حضور ﷺ کے ہاں مہمان نوازی میں اپنے پرائے اور مسلم وغیر مسلم کی کوئی تمیز نہ تھی۔ جو بھی مہمان کاشانہ نبوی ﷺ میں آتا آپ اس کی بھر پور خاطر تواضع فرماتے۔ ابوبصرہ مذکور کی بھی حسب عادت آپ نے خاطر تواضع فرمائی۔ مہمان کو سیر ہو کر کھلایا مگر سب گھر والوں نے رات بھوکے گزار دی۔ حضور ﷺ کا یہ بلند اخلاق اور کمال ایثار اپنا اثر کر چکا تھا۔ ابوبصرہؓ حضور ﷺ کی اس ایثار نفسی سے اتنا متاثر ہوئے کہ صبح ہوتے ہی کلمہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔(۵۹)

یہی وجہ تھی کہ شاہ دوسرا علیہ التحیۃ والثناء اور آپ کا سارا گھرانا رات کو اکثر بھوکا سورہتا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے:

کان رسول اللہ ﷺ یبیت اللیالی المتتابعة طاویا واهله لا یجدون عشاء وکان اکثر خبزهم خبز الشعیر(۳۰)

(رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے گھر والے کئی کئی متواتر راتیں بھوکے رہ جاتے تھے کیونکہ رات کا کھانا میسر نہ ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں جب کبھی روٹی میسر ہوتی تو اکثر جو کی روٹی ہوتی۔

اصحابہ صفہ کا خیال اور خبر گیری

اصحابہ ان فقراء ومساکین صحابہ کو کہا جاتا تھا جن کا مدینہ منورہ میں کوئی گھر بار نہ تھا۔ نہ ہی انہیں گھر بار اور مال ومتاع کی چنداں خواہش تھی۔ دینا کے نہ ہونے پر انہیں کسی قسم کا غم نہ تھا۔ وہ اپنے فقر اور عقبی کی ان عظیم نعمتوں پر راضی تھی، جن کی حضور ﷺ نے انہیں خبر دی تھی۔ ہمہ وقت بارگاہ نبوی ﷺ میں رہ کر تعلیم حاصل کرنا ان کا سب سے بڑا مشن تھا۔ ان "اضیاف الاسلام" کیلئے حضور ﷺ نے مسجد نبوی کے ایک کونے میں ایک سایہ دار چبوترہ بنوادیا تھا وہ اسی میں سوتے اور دن رات رہتے تھے۔ ان کے فقر وفاقہ اور افلاس کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات کھڑے ہونے کی سکت نہیں رکھتے تھے اور دوران نماز ہی گر پڑتے تھے۔(۶۱)

حضرت ابو ہریرہؓ جو خود بھی اصحاب صفہ میں داخل تھے، اصحاب صفہ کی تنگ دستی کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے ایسے ستر آدمیوں کو دیکھا ہے جن میں سے کسی ایک کے پاس بھی پوری چادر نہ تھی۔ ان کے پاس یا تو صرف تہہ بند ہوتا تھا یا کمبل جسے انہوں نے گردنوں کے ساتھ باندھ رکھا ہوتا تھا۔ وہ کمبل بعض حضرات کی نصف پنڈلیوں اور بعض کے ٹخنوں تک پہنچتا

تھا۔ وہ کمبل کو اس خوف سے پکڑے رہتے تھے کہ کہیں ستر نہ کھل جائے (۶۲)

جب تک فتوحات کا دروازہ نہیں کھلا تھا اور عام خوشحالی کا آغاز نہیں ہوا تھا حضور ﷺ نے ان کی معاش کا یہ انتظام کر رکھا تھا کہ رات کو بعض صاحب حیثیت صحابہ پر انہیں تقسیم فرما دیتے۔ وہ ایک ایک دو دو چار چار اور بعض حضرات اس سے بھی زیادہ کو اپنے ساتھ لے جاتے اور انہیں کھانا کھلاتے (۶۳)

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ پھر بھی دس کے لگ بھگ جو آدمی بچ جاتے حضور ﷺ ان کو اپنے کھانے میں شامل فرما لیتے (۶۴)

در نبوی ﷺ پر پڑے ہوئے ان شیدایان اسلام اور فدایان رسول ﷺ کے متعلق حضور ﷺ کا اپنا عمومی رویہ یہ تھا کہ جب آپ ﷺ کے پاس صدقہ کی قسم سے کوئی چیز آتی تو سب کی سب ان کی طرف بھیج دیتے اور خود اسے ہاتھ تک نہ لگاتے اور جب کوئی ہدیہ آجاتا تو اس سے خود بھی تناول فرماتے اور اصحاب صفہ کو بھی شریک کرتے (۶۵)

علاوہ ازیں انصار حضرات اصحاب صفہ کیلئے کھجوروں کے خوشے بھی مسجد میں لٹکا دیتے جن سے وہ حسب خواہش کھا لیتے۔ (۶۶)

اہل صفہ کو آلِ رسول ﷺ پر ترجیح

اس کے علاوہ بھی عموماً یہی ہوتا کہ پہلے اصحاب صفہ کو کھلاتے بعد میں خود نوش فرماتے۔ حضور ﷺ کو اصحاب صفہ کا کتنا خیال تھا اور انہیں کسی طرح اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال پر ترجیح دیتے تھے اس کا اندازہ ابن سعد کی اس روایت سے لگایئے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ ایک رات حضور ﷺ اپنے گھر سے نکل کر ہماری طرف تشریف لائے۔ مجھے فرمایا کہ سب اصحاب صفہ کو بلا لاؤ (۶۷) اس وقت سب سو چکے تھے۔ بہر کیف میں نے ایک ایک کر کے سب کو جگایا اور ہم سب حضور ﷺ کے دروازے پر آگئے اجازت لے کر اندر گئے تو آپ ﷺ نے ہمارے سامنے ایک بڑا پیالہ رکھ دیا جس میں جو سے تیار کردہ ایک کھانا تھا۔ فرمایا: بسم اللہ پڑھو! ہم نے اس میں سے حسب منشا کھایا پھر ہم نے ہاتھ کھینچ لیے۔ پیالہ ہمارے سامنے رکھتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ آل محمد ﷺ کے گھر میں اس کھانے کے سوا جسے تم دیکھ رہے ہو، کوئی چیز نہیں۔ دست نبوی ﷺ لگنے سے کھانے میں اللہ نے اتنی برکت ڈال دی تھی کہ سب نے سیر ہو کر کھایا اور پیالہ ابھی جوں کا توں تھا (۶۸)

اصحاب صفہ کو پہلے دودھ پلانا

حضور اکرم ﷺ کو اصحاب صفہ کا کتنا خیال تھا اس کا اندازہ درج ذیل ایمان افروز واقعہ سے لگائیے :

حضرت ابو ہریرہؓ قسمیہ بیان کرتے ہیں کہ میں بھوک کی وجہ سے اپنے جگر کو تھامے زمین پر گرا پڑا رہتا۔ مجھے شدت بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھنا پڑتا۔ چنانچہ ایک دن میں اس راستے پر بیٹھ گیا جہاں سے صحابہ گزرتے تھے (تاکہ کوئی دعوت دے دے اور کھانے کی "صلح" مارے مگر کسی نے بھی میرا مقصد نہ سمجھا) بالآخر میرے پاس سے حضور ﷺ گزرے تو آپ ﷺ نے مجھے یوں بیٹھے دیکھ کر تبسم فرمایا اور جو کچھ میرے چہرے پر اور میرے دل میں تھا اسے پہچان لیا۔ فرمایا ابو ہریرہؓ میرے ساتھ آجاؤ۔ میں آپ ﷺ کے پیچھے ہولیا۔ آپ ﷺ اپنے دولت خانہ میں داخل ہوئے پھر مجھے اندر آنے کی اجازت دی میں داخل ہوا تو آپ ﷺ نے ایک پیالہ میں دودھ پایا۔ آپ ﷺ نے گھر والوں سے دریافت فرمایا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا ہے ؟ انہوں نے بتایا کہ فلاں صاحب نے آپ کیلئے ہدیہ بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا ابو ہریرہؓ اصحاب صفہ کے پاس جاؤ اور سب کو میرے پاس بلالوؤ۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ یہ اہل صفہ اسلام کے مہمان تھے۔ یہ لوگ اپنے اہل وعیال اور کسی قسم کا مال نہیں رکھتے تھے۔ نہ ہی کسی دوسرے آدمی کے پاس ٹھہرتے تھے۔ بلکہ مستقل مسجد میں ہی رہتے تھے۔ حضور ﷺ کے پاس جب کوئی صدقہ آتا تو سیدھا ان کے پاس بھیج دیتے۔ اس میں سے خود کوئی چیز تناول نہ فرماتے اور جب کوئی ہدیہ آتا تو لوگوں کو بلاتے اس میں سے خود بھی کھاتے اور انہیں بھی شریک فرماتے۔ اصحاب صفہ کو بلالانے والی بات مجھے اچھی نہ لگی۔ میں نے دل میں کہا یہ تھوڑا سا دودھ تمام اہل صفہ کو کیا کریگا۔ اس کے پینے کا تو میں زیادہ حقدار تھا۔ جب وہ سب آجائیں گے تو امید نہیں ہے کہ میرے واسطے بھی کوئی چیز بچے۔ بہر کیف اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ میں اصحاب صفہ کے پاس آیا اور سب کو بلالایا۔ سب لوگ اجازت لے کر اندر داخل ہوئے اور اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہؓ یہ پیالہ پکڑو اور سب کو پلاؤ۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں میں نے پیالہ پکڑا اور سب کو باری باری پلانے لگا۔ جب ایک آدمی سیر ہو جاتا تو میں پیالہ دوسرے آدمی کے ہاتھ میں تھمادیتا۔ میں پلاتے پلاتے آخر میں حضور ﷺ کے پاس پہنچا۔ دودھ میں اللہ نے اتنی برکت ڈالی کہ میرے اور آپ ﷺ کے سوا سب نے سیر ہو کر پی لیا تھا۔ اب آپ ﷺ نے پیالہ پکڑا اور اپنے ہاتھ پر رکھتے ہوئے میری طرف دیکھا اور تبسم فرمایا۔ پھر فرمایا ابو ہریرہؓ ! میں نے عرض کیا لبیک یارسول اللہ ! فرمایا صرف

میں اور تو باقی رہ گئے ہیں میں نے عرض کیا۔ آپ ﷺ نے صحیح فرمایا ہے۔ فرمایا تو پھر بیٹھ جاؤ اور پیو۔ میں بیٹھ گیا۔ اور ایک مرتبہ دودھ پیا۔ فرمایا دوبارہ پیو میں نے پھر پیا۔ آپ ﷺ برابر مجھے فرماتے رہے کہ پیو حتی کہ میں نے کہا: نہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ اب کوئی گنجائش نہیں۔ فرمایا تو پھر مجھے دو میں نے پیالہ آپ ﷺ کے حوالے کیا۔ آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھی اور بچا کھچا دودھ نوش فرمایا۔ (۶۹)

اول درویش بعد خویش

نبی اکرم ﷺ کو اپنی لخت جگر سیدہ فاطمہ الزہراءؓ سے جتنا تعلق خاطر تھا۔ جتنی ان کی خاطر داری فرماتے تھے۔ جتنی ان سے محبت رکھتے تھے اور تعلیم امت کیلئے جتنا ان کا احترام فرماتے تھے وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔ صرف ایک روایت امام بخاریؒ کی پڑھ لیجئے۔ امام فرماتے ہیں:

سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ جب بھی حضور ﷺ کے ہاں تشریف لاتیں تو آپ احتراما کھڑے ہو جاتے۔ بیبیٹی کو خوش آمدید کہتے۔ ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے۔ پھر انہیں اپنی نشست پر بٹھاتے اور جب کبھی حضور ﷺ ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ بھی بڑھ کر استقبال کرتیں۔ مرحبا کہتیں ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتیں اور اس کے بعد اپنی نشست پر بٹھاتیں۔ سیدہ فاطمہؓ حضور ﷺ کی مرض الوفات میں آئیں تو آپ نے انتہائی علالت اور کمزوری کے باوجود انہیں مرحبا کہا اور بوسہ لیا۔ (۷۰)

اس روایت سے آپ ﷺ نے اس گہرے اور محبت بھرے تعلق کا کچھ اندازہ کر لیا ہوگا۔ جو حضور ﷺ کو اپنی اس نیک بخت بیٹی سے تھا۔ اس کے باوجود سیدہ کے گھر میں افلاس کا یہ عالم تھا کہ گھر کا سارا کام کاج خاتون جنت کو خود کرنا پڑتا تھا۔ چکی خود پیستیں' پانی خود بھرتیں' کھانا خود پکاتیں' کپڑے خود دھوتیں۔ چھوٹے بچوں کے نہلانے دھلانے کا کام اس کے علاوہ تھا۔ مالی اعتبار سے سیدنا علی المرتضٰیؓ کے ہاں اتنی گنجائش نہیں تھی کہ سیدہ کو کم از کم ایک خادم ہی رکھ دیں۔ ایک مرتبہ مال غنیمت میں بہت سے غلام اور کنیزیں آئیں تو حضرت علی المرتضٰیؓ نے سیدہ سے کہا حضور سب لوگوں کو غلام اور کنیزیں عنایت فرما رہے ہیں تم بھی ایک خادم کا مطالبہ کرو۔ سیدہ فاطمہؓ نے درخواست پیش کی تو فرمایا:

لا اعطیک وادع اھل الصفة تطوی بطونھم من الجوع(۷۱)

(ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ کو دوں اور اہل صفہ کو اس حال میں چھوڑ دوں کہ بھوک سے ان کے پیٹ اکٹھے ہوئے جا رہے ہیں)

زرقانی کی صراحت کے مطابق آپ ﷺ نے ساتھ یہ بھی فرمایا۔ بیٹی میرے پاس ان اہل صفہ پر خرچ کرنے کو کوئی چیز نہیں۔ میں ان غلاموں کو فروخت کر کے یہ پیسہ ان فقراء پر خرچ کروں گا۔(۷۲)

بیٹی واپس چلی گئیں تو حضور رات گئے دلجوئی کیلئے تشریف لائے اور فرمایا بیٹی ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر کی تسبیح کر لیا کرو یہ خادم سے کہیں بہتر ہے۔(۷۳)

حوالہ جات

۱۔ ان چار چیزوں کے بنیادی ضروریات ہونے کیلئے ملاحظہ ہو :

(الف) سورۃ طہٰ : ۱۱۸' سورۃ البقرۃ : ۲۳۲' سورۃ الطلاق : ٦١

(ب) جامع ترمذی (ابواب الزہد) ص : ۳۳۹' طبع نور محمد' کراچی

(ج) مشکوٰۃ المصابیح (کتاب الرقاق' ص : ۴۴۲' طبع سعید کمپنی' کراچی

(د) ابوبکر کاسانی : بدائع الصنائع : ۴ : ۳۸' طبع مصر

(ہ) امام غزالی' احیاء علوم الدین' : ۳ : ۲۲۵' طبع قاہرہ

(و) ابو عبداللہ القرطبی' جامع لاحکام القرآن : ۱۱ : ۲۵۳' طبع بیروت

(ز) مرغینانی : عین الهدیہ (اردو ترجمہ ہدایہ) : ۲ : ۳۳۲' طبع قانونی کتب خانہ لاہور

(ح) ابن حزم : المحلی' ۴ : ۴۵۲' (مسئلہ نمبر ۷۲۵) طبع مصر

(ط) شمس الائمہ سرخسی : المبسوط : ۳۰ : ۲۶۴' طبع مصر

۲۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو :

(الف) مرغینانی : ہدایہ (اردو ترجمہ) ۱ : ۵۹۴' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور۔

(ب) الکاسانی' بدائع الصنائع (اردو ترجمہ) ۲ : ۳٦۱' مطبوعہ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

(ج) ابن عابدین شامی ردالمحتار (کتاب الزکواۃ) :۲:۷٦' طبع مصر

(د) زیلعی: تبعیین الحقائق:۱:۲۵۳' طبع مصر'۱۳۱۳ھ

(ہ) ابوعبید: کتاب الاسوال (اردو ترجمہ) ص:۸۱۵ طبع جدید ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد۔

(و) شہاب الدین احمد رملی: نہایۃ المحتاج الی شرح المنهاج :٦:۱۹٤' طبع مصر

(ز) ڈاکٹر وھبہ الزہیلی: الفقہ الاسلامی وادلتہ :۷:٧٦٥' طبع دمشق۱۹۸۹/۱٤۰۹ھ

۳۔ ابو عبداللہ القرطبی' الجامع لاحکام القرآن : ۳ : ۱٦۳' طبع مصر ۱۹٦۳ء

۴۔ المفردات فی غریب القرآن' ص : ۳۳۱' طبع مصر

۵۔ المفردات سی غریب القرآن' ص : ۳۳۱' طبع مصر

٦۔ علامہ آلوسی۔ روح المعانی : ۲

۷۔ ہدایہ (اردو ترجمہ) : ۲ : ۳۳۳' (باب النفقہ) مطبوعہ قومی کتب خانہ' لاہور

۸۔ المبسوط : ۵ : ۱۸۱ (باب النفقۃ) طبع بیروت

۹۔ ۱ (الف) الکاسانی' بدائع الصنائع (اردو ترجمہ) ۱ : ۴ : ٦٦' مطبوعہ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور ۱۹۹۳ء

(ب)ابو عبداللہ القرطبی الجامع لاحکام القرآن: ۱۸: ۱۷۱ طبع مصر ۱۹۶۳ء

(ج)المبسوط للسرخسی، ۵: ۱۸۱

۱۰۔ بخاری: ۲: ۸۰۷ طبع سعید کمپنی کراچی

۱۱۔ الکاسانی، بدائع الصنائع (اردو ترجمہ): ۴: ۱۰۲، مطبوعہ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

۱۲۔ الشاطبی الموافقات: ۲: ۴ طبع مصر

۱۳۔ صحیح بخاری، ۱: ۱۸۷، طبع کرزن پریس دہلی ر کراچی

۱۴۔ حجۃ اللہ البالغہ (ابواب الزکواۃ): ۲: ۳۶۱ تا ۳۶۳ (اردو) طبع قومی کتب خانہ، لاہور

۱۵۔ سورۃ التوبہ: ۶۰

۱۶۔ زغلول: دو موسوعہ اطراف الحدیث تحت "انا"

۱۷۔ مقدمہ ابن خلدون بحوالہ اسلام کا نظام حکومت، از مولانا حامد انصاری، ص: ۷۰، دفعہ نمبر ۹ طبع مکتبہ الحسن لاہور۔

۱۸۔ مشکواۃ المصابیح، ص: ۴۲۵ طبع کراچی

۱۹۔ بحوالہ اسلام کا اقتصادی نظام، از مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ص: ۱۲۹۔ ۱۳۰ طبع ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۹ء

۲۰۔ مشکواۃ المصابیح ص: ۴۲۵

۲۱۔ ابن کثیر البدایہ والنھایہ: ۷: ۳۵

۲۲۔ (الف)طبقات ابن سعد: ۳: ۳۰۵، طبع بیروت

(ب) تاریخ طبری، تحت حوادث ۲۳ھ

۲۳۔ ابن جوزی: سیرت عمر بن الخطاب، ص: ۱۶۱ طبع مصر ۱۳۴۶ھ

۲۴۔ جامع ترمذی (ابواب الفرائض، باب ماجاء فی میراث المال)

۲۵۔ (الف) جامع ترمذی (ابواب النکاح باب ماجاء لانکاح الا بولی)

(ب) سنن ابی داؤد (کتاب النکاح باب الولی)

۲۶۔ زغلولی: موسوعہ اطراف الحدیث تحت "انا"

۲۷۔ ابن حزم المحلی، ج: ۳، ص: ۴۵۲ طبع مصر

۲۸۔ امام غزالی: التبر المسبوک، ص: ۹۴

۲۹۔ جصاص احکام القرآن، ج: ۳، ص: ۱۷۶

۳۰۔ صحیح بخاری: ۱: ۳۱۲ طبع سعید کمپنی کراچی

۳۱۔ صحیح بخاری: ۱: ۳۱۲ طبع سعید کمپنی کراچی

۳۲۔ (الف) صحیح بخاری (باب اخاء النبی بین المھاجر والانصار) ج: ۱، ص: ۵۳۳ طبع کراچی

(ب) بخاری (باب کیف آخی النبی بین اصحابہ) ج: ۱، ص: ۵۶۱ کراچی

(ج) ابن کثیر البدایہ والنھایہ (اردو ترجمہ): ۳: ۲۸۱۔ ۲۸۲، طبع نفیس اکیڈمی کراچی

۳۳۔ (الف) صحیح بخاری (باب مناقب عثمان)، ج: ۱، ص: ۵۲۲، طبع کراچی
(ب) مشکوٰۃ المصابیح (باب مناقب عثمان)، ص: ۵۶۱ کراچی
۳۴۔ ابو ابن عبد البر: استیعاب: ۲: ۴۸۸ تحت ترجمہ عثمان بن عفان
۳۵۔ (الف) صحیح بخاری کتاب فی الاستقراض باب الصلوٰۃ علی من ترک دنیا
(ب) بخاری کتاب النفقات باب قول النبی من ترک کلا او ضیاعا فالی
(ج) ترمذی ابواب الفرائض باب ماجاء من ترک مالا فلورثتہ
(د) روح المعانی: ۱۲: ۱۵۱ طبع بیروت
۳۶۔ صحیفہ ہمام بن منبہ، ص: ۶۱، طبع قاہرہ ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۵ء
۳۷۔ رسول رحمت (مقالات مولانا ابو الکلام آزاد) مرتبہ مولانا غلام رسول مہر، ص: ۱۳۶ طبع لاہور
۳۸۔ محدثین نے ایک لاکھ درہم کا اندازہ لگایا ہے۔ (عینی)
۳۹۔ صحیح بخاری: ۱: ۶۰ (کتاب الصلوٰۃ) طبع کراچی
۴۰۔ (الف) الہیثمی، مجمع الزوائد: ۱۰: ۳۲۵، قاہرہ / بیروت
(ب) مولانا یوسف کاندھلوی، حیاۃ الصحابہ (اردو) حصہ دوم، ص: ۲۷۷، کتب خانہ فیضی، لاہور
۴۱۔ سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی: ۷: ۴۹۔۵۰ طبع الفیصل، لاہور۔
۴۲۔ سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی: ۷: ۴۷۔۴۸، طبع الفیصل، لاہور۔
۴۳۔ ابو عبید، کتاب الاموال، ص: ۳۲۴۔۳۲۵ فتوی نمبر ۸۳۱
۴۴۔ کتاب الخراج، ص: ۲۰
۴۵۔ بخاری و مسلم بحوالہ اسلام کے معاشی نظریے از ڈاکٹر یوسف الدین، ج: ۲، ص: ۷۱۹
۴۶۔ شیخ عبد الحی کتانی، نظام الحکومۃ النبویہ، ج: ۱، ص: ۴۴۱۔۴۴۲ طبع بیروت
۴۷۔ (الف) صحیح ابن حبان، ج: ۷، ص: ۸۹ طبع سانگلہ ہل، شیخوپورہ۔
(ب) بیہقی: دلائل النبوۃ: ۱: ۳۴۹ طبع مکتبہ اثریہ، لاہور
(ج) شیخ علی متقی ہندی، کنز العمال: ۷: ۱۲۲ تا ۱۲۴ طبع حیدر آباد دکن
۴۸۔ (الف) الماوردی: اعلام النبوۃ، ص: ۲۱۲ طبع ازہر
(ب) علامہ یوسف نبہانی، جواہر البحار: ۳: ۶
۴۹۔ صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب الحث علی الصدقۃ، ج: ۱، ص: ۳۲۷ طبع کراچی
۵۰۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، ص: ۴۲۴ طبع کراچی
۵۱۔ مسند احمد، حدیث نمبر ۴۸۸۰ (جدید ایڈیشن)
۵۲۔ (الف) بخاری (کتاب الادب) ج: ۲، ص: ۸۹۲، کراچی (ب) صحیح مسلم: ۲: ۲۵۳ طبع کراچی
۵۳۔ نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی، ص: ۳۰۸۔۳۰۹، مطبوعہ مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

۵۴۔ ابن کثیر البدایہ والنھایہ : ۶ : ۴۱۔۴۲ طبع بیروت

۵۵۔ شمائل ترمذی (مع جامع ترمذی) ص : ۵۹۶۔۵۹۷ طبع نور محمد کراچی

۵۶۔ (الف) ابن کثیر، سیرۃ النبویۃ : ۴ : ۶۶۶۔۶۶۷ طبع بیروت لبنان

(ب) احمد عبدالرحمٰن البناء : الفتح الربانی ترتیب مسند احمد : ۲۲ : ۳۲۔۳۳

۵۷۔ طبقات ابن سعد : ۴ : ۳۲۹ طبع بیروت

۵۸۔ (الف) ابن سعد : الطبقات : ۱ : ۴۰۹

(ب) ابو عبید : کتاب الاموال (اردو) : ۱ : ۳۳۱

۵۹۔ مسند احمد : ۶ : ۳۹۷ طبع مصر قدیم

۶۰۔ جامع ترمذی، ص : ۳۴۱ طبع نور محمد کراچی

۶۱۔ (الف) سمہودی : وفاء الوفاء : ۲ : ۴۵۳ طبع بیروت ۱۹۷۱ء

(ب) ابو نعیم اصفہانی، حلیۃ الاولیاء : ۱ : ۳۳۹ طبع مصر ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء

۶۲۔ (الف) صحیح بخاری (کتاب الصلوٰۃ باب نوم الرجال فی المساجد) ج : ۱، ص : ۶۳

(ب) ابو نعیم اصفہانی، حلیۃ الاولیاء : ۱ : ۳۴۱ طبع مصر ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء

۶۳۔ (الف) طبقات ابن سعد : ۱ : ۲۵۵

(ب) ابو نعیم اصفہانی، حلیۃ الاولیاء : ۱ : ۳۳۸ طبع مصر ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء

(ج) ابن حزم المحلی : ۳ : ۴۵۴

(د) کتانی، نظام الحکومۃ النبویۃ : ۱ : ۴۷۵، مصر

۶۴۔ وفاءالوفاء للسمہودی ج ۲ ص ۲۵۲

۶۵۔ ابو نعیم اصفہانی، حلیۃ الاولیاء : ۱ : ۳۴۱ طبع مصر ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء

۶۶۔ کتانی، نظام الحکومۃ النبویۃ : ۱ : ۴۷۹ طبع مصر

۶۷۔ اصحاب صفہ کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ تیس سے لیکر چار سو اور ایک روایت کے مطابق نو سو تک رہی (نظام الحکومۃ النبویۃ : ۱ : ۴۸۰)

۶۸۔ طبقات ابن سعد : ۱ : ۲۵۶

۶۹۔ (الف) مستدرک حاکم : ۳ : ۱۵۔۱۶ طبع حیدر آباد دکن

(ب) سمہودی، وفاء الوفاء : ۲ : ۴۵۴، بیروت ۱۹۷۱ء نووی، ریاض الصالحین، ص : ۲۲۷۔۲۲۸، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

۷۰۔ (الف) امام بخاری : الادب المفرد، ص : ۱۴۳ طبع بیروت (ب) جامع ترمذی (ابواب المناقب) ص : ۵۵۰، کراچی

۷۱۔ (الف) صحیح بخاری : ۱ : ۴۳۹، کراچی (ب) قسطلانی : المواہب اللدنیہ : ۲ : ۳۷۳

۷۲۔ زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ : ۴ : ۲؟۳ طبع مصر

۷۳۔ ایضاً